ماہنامہ

انذار

Inzaar

مدیر: ابو یحییٰ

نومبر ۲۰۲۰
www.inzaar.pk
November 2020

شکر گزاری کی عادت پیدا کیجیے یہ اپنے موڈ کو بہتر بنانے اور اپنی نعمتوں کو بڑھانے کا سب سے آسان نسخہ ہے

Please visit our websites to read the articles and books of Abu Yahya online for free.

www.inzaar.org

www.inzaar.pk (Urdu Website)

Join us on twitter @AbuYahya_inzaar

Join us on Facebook

Abu Yahya's Official Page: facebook.com/abuyahya.inzaar

Inzaar Official Page: facebook.com/inzaartheorg

Join us on YouTube youtube.com/inzaar-global

WhatsApp Broadcast list: Please contact +92-334-1211120 from WhatsApp (Daily Msg Service-Broadcast Lists – No Groups)

To get books and Inzaar's monthly magazines at home anywhere in Pakistan, contact 0332-3051201 or 0345-8206011

To participate in online courses, visit ww.inzaar.org/online-courses/

To get any other information, email to **info@inzaar.org** and info@inzaar.pk

Our material in audio form is available on USB/CD

قارئین سے خصوصی التماس

السلام علیکم ورحمتہ اللہ

امید ہے کہ آپ خیروعافیت سے ہوں گے۔ ماہنامہ انذار گذشتہ کئی برسوں سے ایمان واخلاق کا پیغام لوگوں تک پہنچا رہا ہے۔ ہماری کوشش رہی ہے کہ یہ رسالہ کسی تعطل کے بغیر اپنے قارئین تک پہنچتا رہے۔ آپ جانتے ہیں رسالہ کی ترسیل بذریعہ پاکستان پوسٹ کی جاتی ہے۔ گذشتہ چند ماہ سے پاکستان پوسٹ کی ناقص کارکردگی اور کورونا وبا کے نتیجہ میں ہونے والے لاک ڈاؤن نے ڈاک کی ترسیل کو بری طرح متاثر کیا ہے۔ آپ کی طرف سے موصول ہونے والی شکایات اور موجودہ صورت حال میں آپ تک رسالہ کی بروقت ترسیل کے پیش نظر ماہنامہ انذار کی انتظامیہ نے بذریعہ TCS رسالہ کی ترسیل کا فیصلہ کیا ہے، تاہم اس کے نتیجے میں ترسیل کے اخراجات میں اضافہ ہو رہا ہے۔ آپ سے التماس ہے کہ ان اضافی اخراجات کی ادائیگی کو ممکن بنائیں تاکہ بذریعہ TCS رسالہ کی ترسیل کا سلسلہ جاری رکھا جاسکے، بصورت دیگر انتظامیہ رسالہ کی ترسیل بذریعہ پاکستان پوسٹ ہی جاری رکھے گی۔

اضافی اخراجات کی معلومات کے لیے مندرجہ ذیل طریقہ کار پر عمل کریں:

۱۔ اپنے زون کا انتخاب کریں۔
۲۔ اپنے زون کے سبسکرپشن چارجز میں سے اداشدہ سالانہ سبسکرپشن چارجز (۹۰۰ روپے کراچی/۶۰۰ روپے بیرون کراچی) کو نکال دیں۔
۳۔ حاصل شدہ عدد آپ کے اضافی اخراجات ہوں گے۔

نوٹ: کراچی کے لیے کسی اضافی ادائیگی کی ضرورت نہیں ہے۔ کراچی کے سبسکرپشن چارجز وہی رہیں گے۔

زون نمبر	زون کا نام	فی کاپی سالانہ سبسکرپشن چارجز بذریعہ TCS
زون نمبر۱	کراچی	900 روپے
زون نمبر۲	سندھ اور بلوچستان	1094 روپے
زون نمبر۳	پنجاب، خیبر پختونخوا گلگت بلتستان، آزاد کشمیر	1242 روپے

واجبات اور سبسکرپشن چارجز مندرجہ ذیل طریقے پر ارسال کریں۔			
Easy Paisa	Muhammad Shafiq	03343799503	CNIC# 42201-8355292-9
Money Order	Monthly Inzaar 4th Floor Snowhite Centre Abdullah Haroon Road Opp Hotel Jabees Saddar Karachi. P.O BOX- 7285		
Account	Title of Account Monthly Inzaar A/C# 0171-1003-729378 Bank Al Falah Saddar Branch Karachi.		

شکریہ

وارث رضا

سرکولیشن مینیجر

ایجنسی ڈسکاؤنٹ 20 فیصد ہے۔ ایجنسی ڈسکاؤنٹ کے لیے کم از کم ہر ماہ پانچ رسالے لینا ضروری ہیں۔

آپ سے درخواست ہے کہ واجبات/سبسکرپشن چارجز کو بھیجنے کے بعد اپنے نام اور موبائل نمبر کے ساتھ نیچے دیے ہوئے نمبر پر ضرور Whatsapp/SMS کریں مزید معلومات کے لیے اس نمبر پر رابطہ کریں: 0312-2099389

ماہنامہ

اِنذار

نومبر 2020ء ربیع الاول/ربیع الثانی 1442ھ

جلد 8 شمارہ 11

ابویحییٰ کے قلم سے

فی شمارہ ــــ 40 روپے
سالانہ: کراچی (بذریعہ کوریئر) 900 روپے
بیرون کراچی (نارمل پوسٹ) 600 روپے
(زرتعاون بذریعہ منی آرڈر (vp) یا ڈرافٹ)

P.O Box-7285, Karachi.
فون: 0332-3051201 , 0312-2099389
ای میل: globalinzaar@gmail.com
web: www.inzaar.pk

اعلیٰ انسان کی دو خصوصیات

محمد علی کلے ایک امریکی باکسر تھے جنھیں بلا مبالغہ بیسویں صدی کے مقبول ترین لوگوں میں سے ایک شخص سمجھا جاتا ہے۔ 1974 میں جارج فورمین کے ساتھ ان کے باکسنگ میچ کو دنیا کی ایک چوتھائی آبادی نے براہ راست دیکھا جو کہ ایک ریکارڈ ہے۔ ان کی عوامی مقبولیت بے پناہ تھی، مگر اس کے باوجود انھوں نے زندگی میں کبھی کسی کو آٹو گراف دینے سے انکار نہیں کیا۔ اور اس کے لیے وہ گھنٹوں لوگوں کو آٹو گراف دیتے رہے تھے۔ ان کے اس رویے کا سبب یہ تھا کہ ان کے بچپن میں ان کے آئیڈیل نے آٹو گراف دینے سے انکار کر دیا تھا۔ یہ واقعہ بتاتا ہے کہ انسان اگر اعلیٰ انسان ہو تو وہ محرومی ملنے کے باوجود دوسروں کو محروم نہیں کرتا۔

اعلیٰ انسان کی دوسری خوبی یہ ہے کہ وہ اپنی کمزوری کو یاد رکھتا ہے۔ وہ کمزوری اگر دور کی جاسکتی ہے تو اسے دور کرتا ہے اور نہیں کی جاسکتی تو اس کے ساتھ کوئی ایسی خوبی جمع کرتا ہے جو اس کمزوری کو ڈھانپ لیتی ہے۔ محمد علی سیاہ فام امریکی تھے اور ان کے زمانے میں سیاہ فام امریکیوں کے ساتھ امریکی معاشرے میں بہت برا سلوک کیا جاتا تھا۔ محمد علی کے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ اس کمزوری کو دور کریں، چنانچہ انھوں نے اپنے فن اور اپنی سیرت میں ایسی غیر معمولی خوبیاں جمع کرلیں جن کی بنا پر وہ ساری زندگی نہ صرف امریکہ بلکہ دنیا بھر کے مقبول ترین شخص رہے۔

آج کے نوجوانوں کے لیے بھی درست راستہ یہ ہے کہ اپنی محرومیوں اور کمزوریوں کا بوجھ اٹھائے رکھنے کے بجائے خود میں خوبیاں جمع کریں۔ اس کے نتیجے میں وہ دنیا بھر کے محبوب بنیں گے۔ لیکن اپنی محرومیوں کا ماتم کرتے رہنا اور کمزوریوں کو اپنے وجود سے چمٹائے رکھنا ایک منفی رویہ ہے۔ اس رویے کو اختیار کرنے والوں کا انجام یہ ہے کہ نہ وہ دنیا میں لوگوں کے محبوب بن پاتے ہیں اور نہ آخرت میں خدا کے محبوب بن سکیں گے۔

تعصب کی قیمت

قرآن مجید کے مطابق لوگوں کے پاس جب کبھی کوئی رسول آیا تو انھوں نے تکذیب واستہزا کا راستہ ہی اختیار کیا، (یس 30:36)۔ رسولوں اور نبیوں کے اس انکار کی وجہ انسانوں کی یہ نفسیات رہی کہ انسان ایک دفعہ جب کوئی نقطہ نظر قائم کر لیتے ہیں تو پھر اس پر کسی قسم کی تنقید کو سننا پسند نہیں کرتے۔ قرآن نے ایک دوسرے مقام پر اہل جہنم کی زبانی ان کے جہنم رسید ہونے کا یہ سبب بیان کیا ہے کہ وہ سچ کو نہ تو سننا چاہتے تھے اور نہ اس پر غور کرنے کے لیے کبھی تیار ہوئے، (ملک 10:67)۔

انسانوں کی یہ نفسیات آج کے دن تک اسی طرح قائم ہے۔ آج بھی جب کوئی مصلح اٹھتا ہے اور لوگوں کے تعصّبات کے خلاف کسی چیز پر تنقید کرتا ہے تو لوگ بلا سوچے سمجھے اس کے خلاف ہو جاتے ہیں۔ وہ اس کی بات سننا ہی پسند نہیں کرتے۔ سن لیں تو اس کے دلائل کو سمجھنے سے انکار کر دیتے ہیں۔ وہ تکذیب کرتے، مذاق اڑاتے اور بے ہودہ جملے بازی کرتے ہیں۔

اس رویے کو آج مسلمانوں میں کہیں دیکھنا ہے تو فیس بک میں کیے جانے والے ان بہت سے کمنٹس کی شکل میں دیکھا جا سکتا ہے جو لوگ اپنے تعصّبات کے خلاف کوئی چیز سامنے آنے پر کرتے ہیں۔ کسی نقطہ نظر سے اختلاف کرنا بہر حال ایک مسلمہ انسانی حق ہے۔ لیکن یہ حق صرف اسی شخص کو حاصل ہے جو ایک مختلف بات کو توجہ سے سنتا ہے اور پیش کیے جانے والے دلائل پر غور کر کے سامنے والے کا نقطہ نظر پوری دیانت داری سے سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔

مگر جو لوگ تعصب، ضد، ہٹ دھرمی کی بنیاد پر تکذیب واستہزا کا رویہ اختیار کرتے ہیں وہ درحقیقت سچائی سے محروم رہ جانے اور جہنم کے پچھتاووں کا خطرہ مول لے رہے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ رویہ اختیار کرنے والے ایک روز اپنے تعصب کی بدترین قیمت چکائیں گے۔

ڈاجنگ کاراور ہماراٹریفک نظام

ڈاجنگ کار بچوں بڑوں کے لیے تفریح کا ایسا سامان ہے جو بڑے شہروں کی تفریح گاہوں میں عام طور پر دستیاب ہوتا ہے۔ یہ بجلی سے چلنے والی وہ گاڑیاں ہوتی ہیں جو جالیوں سے گھرے کسی احاطے کے فرش پر پھسلتی ہوئی چلتی ہیں۔ یہ کسی بھی سمت تیزی سے مڑنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔اوراسی صلاحیت کے بل بوتے پر لوگ ان گاڑیوں میں بیٹھتے ہیں اور ایک دوسرے کو ڈاج دینے کی کوشش کرتے ہیں۔اس عمل میں اکثر گاڑیاں ٹکرا بھی جاتی ہیں۔مگر یہ گاڑیاں کم رفتار کی بنا پر نہ الٹتی ہیں اور نہ ٹوٹ پھوٹ ہوتی ہے۔

دنیا بھر کے لوگ ڈاجنگ کار میں بیٹھتے ہیں،مگر شہر کی سڑکوں پر اپنی گاڑیاں ڈاجنگ کار کے اصول پر کبھی نہیں چلاتے۔اس معاملے میں شاید ایک ہی استثنا ہےاور وہ پاکستانی قوم اور خاص کر کراچی شہر کا ٹریفک ہے۔ یہاں چھوٹی بڑی ہر سڑک پر لوگ اپنی گاڑیاں اوراسکوٹریں ہی نہیں بلکہ بس، ویگن اور ٹرک ڈرائیور بھی اپنی گاڑیاں ڈاجنگ کار کے طریقے پر چلاتے ہیں۔کراچی غالباً دنیا کا واحد شہر ہے جہاں موٹر وے (سپر ہائے وے) جیسے راستے پر بھی اسکوٹر سے لے کر ٹرک چلانے والے ون وے کی مستقل خلاف ورزی کرتے نظر آتے ہیں اور ان کو کوئی نہیں روکتا۔

یہی نہیں بلکہ موٹر وے پر سوا یک سوبیس کی رفتار سے آتی ہوئی گاڑیوں کے درمیان بھاگ کر سڑک عبور کرنے والے لوگ بھی دنیا میں شاید یہیں پائے جاتے ہیں۔ یہاں اسکوٹر اور رکشہ ہی نہیں بلکہ ٹرک اور بس بھی اچانک بغیر اشارہ دیے اپنا ٹریک بدل لیتے ہیں۔ دنیا بھر کے برعکس جہاں فٹنس کے مقررہ معیار کے بغیر کوئی گاڑی سڑک پر نہیں آسکتی اور تمام قواعد کو جانے بغیر کوئی ڈرائیور گاڑی نہیں چلاسکتا، ہمارے ہاں گاڑی کا اسٹارٹ ہوجانا اور ڈرائیور کا اس کو چلالینا گاڑی

کے سڑک پر آنے کا واحد معیار ہوتا ہے۔

اسی کا نتیجہ ہے کہ ہمارے ہاں آئے دن ٹریفک حادثات ہوتے ہیں جن میں قیمتی جانی اور مالی نقصان ہوتا ہے۔2018 میں 36000 لوگ ٹریفک حادثات کی نذر ہوئے۔ ہر برس اس تعداد میں اضافہ ہور ہور ہا ہے۔مگر سوائے ان بدنصیب خاندانوں کے جن کے پیارے ان حادثات میں مارے جاتے ہیں، کسی اور کو اس عظیم جانی نقصان کی کوئی فکر نہیں ہوتی۔

زیادہ سے زیادہ اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے یہ کیا جاتا ہے کہ قانون کو سخت سے سخت بنا دیا جائے۔مگر قانون اور جرمانے سخت کرنے سے صرف رشوت کے ریٹ بڑھتے ہیں۔مزید یہ کہ جب ہر شخص قانون کی خلاف ورزی شروع کر دے تو پولیس والے لاکھ کوشش کر کے بھی لوگوں کو قانون کی خلاف ورزی کرنے سے نہیں روک سکتے۔

اس مسئلے کا حل کئی پہلوؤں سے کرنے کی ضرورت ہے۔ایک یہ کہ روڈ سینس کے مضمون کو پرائمری نصاب کا لازمی حصہ بنایا جائے تا کہ بچپن سے ہر شہری کو معلوم ہو کہ اس کی غفلت سے سڑکیں، سفر ہی کا نہیں، موت کی منزل پر پہنچنے کا راستہ بھی بن سکتی ہیں۔ ڈرائیونگ لائسنس کا حصول دبئی جیسے ممالک کی طرح کئی مراحل سے مشروط کر دیا جائے جس میں ڈرائیونگ سے کہیں بڑھ کر روڈ سینس کی تربیت کے کورسز میں کامیابی لازمی ہو۔لوگوں کو ان کورسز میں یہ بتایا جائے کہ ان کی سواری ان کی ذرا سی غفلت سے ایک آلۂ قتل میں تبدیل ہو سکتی ہے۔

شہریوں اور ڈرائیوروں کی تربیت کے ساتھ قوانین کے سخت اطلاق کے لیے ٹریفک پولیس کے پورے نظام میں تبدیلی کی سخت ضرورت ہے۔اس کا پہلا قدم یہ ہے کہ ٹریفک پولیس کی تنخواہیں کئی گنا بڑھائی جائیں تا کہ وہ رشوت سے دور رہ کر قوانین کو سختی سے نافذ کرا سکیں۔اس کے لیے ضروری ہے کہ لائسنس فیس کو دس گنا بڑھا دیا جائے اور یہ تمام فیس ٹریفک پولیس کی

تنخواہوں میں خرچ کی جائے۔

ٹریفک کے نظام کی نگرانی کے لیے پورے شہر میں ٹریفک سگنل پر نگرانی کرنے والے کیمرے لگائے جائیں۔ ان کیمروں کے ذریعے سے خلاف ورزی کرنے والوں کے سخت چالان کیے جائیں جیسا کہ دنیا بھر میں ہوتا ہے۔ان جرمانوں کی رقم سے کیمروں کا یہ نظام باآسانی چلایا جاسکتا ہے۔

آج ہم یہ سارا سلسلہ شروع کریں گے تب کہیں جا کر اگلے چند برسوں میں ہمارا ٹریفک کا نظام ایک قاتل نظام سے ایک سہولت دینے والا نظام بنے گا۔اور اگر ہم نے اس معاملے کو سنجیدگی سے نہیں لیا تو ہر برس مرنے والوں، معذوروں، زخمیوں کی تعداد بڑھتی چلی جائے گی۔ جبکہ مالی نقصان اس کے علاوہ ہوگا۔

”اے بنی آدم! ہر عبادت کے موقع پر اپنی زینت سے آراستہ رہو اور کھاؤ اور پیو، اور اسراف نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا، اے رسول ان سے کہو، کس نے اللہ کی اس زینت کو حرام کر دیا جسے اللہ نے اپنے بندوں کے لیے نکالا تھا اور کس نے خدا کی بخشی ہوئی پاک چیزیں ممنوع کر دی ہیں۔ کہو، یہ ساری چیزیں دنیا کی زندگی میں بھی اہل ایمان کے لیے ہیں، اور قیامت کے دن تو خالصتاً انہی کے لیے ہوں گی۔اس طرح ہم اپنی باتیں صاف صاف بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لیے جو علم رکھنے والے ہیں۔اے نبی کہدو کہ میرے رب نے جو چیزیں حرام کی ہیں وہ تو یہ ہیں:

بے حیائی کے کام، خواہ کھلے ہوں یا چھپے،

اور حق تلفی،

اور ناحق زیادتی،

اور اس بات کو حرام ٹھہرایا ہے کہ تم کسی چیز کو اللہ کا شریک بناؤ جس کی اس نے کوئی دلیل نہیں اتاری،

اور یہ کہ تم اللہ کے نام پر کوئی ایسی بات کہو جس کا تمھیں علم نہ ہو۔“ (الاعراف 7:33-32)

اجتماعی معاملات پر گفتگو: ایک ذمہ داری

سوشل میڈیا نے عام آدمی کے لیے اجتماعی معاملات پر رائے دینے اور رائے عامہ کو ہموار کرنے کے راستے کھول دیے ہیں۔ پہلے جو باتیں ایک عام آدمی اپنی بیٹھک اور ڈرائنگ روم میں چند احباب میں بیان کرتا تھا، وہ اب سینکڑوں لوگوں کے سامنے بیان کرنا ممکن ہو گیا ہے۔ ان میں سے کچھ لوگوں کو اچھا لکھنے اور بولنے پر ملکہ حاصل ہوتا ہے، ایسے لوگوں کے سامعین اور ناظرین کی تعداد ہزاروں میں بھی چلی جاتی ہے۔

مگر ایسے تمام لوگوں کو یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اجتماعی معاملات میں بولنے کے اس طرح کے مواقع انسان کی ذمہ داری کو بہت بڑھا دیتے ہیں۔ ان ذمہ داریوں کو پورا کیے بغیر بولنا قیامت کے دن انسان کی سخت پکڑ کا سبب بن سکتا ہے۔ ان ذمہ داریوں میں سے دو بنیادی اور اہم ترین کا تذکرہ ہم ذیل میں کر رہے ہیں تا کہ ہر شخص اس کی روشنی میں اپنا جائزہ لے۔

کسی بھی اجتماعی معاملے میں گفتگو کرنے والے شخص کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس معاملے میں مکمل آگاہی حاصل کرے۔ اس کے پاس تمام معلومات یا ڈیٹا موجود ہو۔ اس کا رویہ خواہش کو خبر بنانے، اپنے جذبات کو تجزیات کے نام پر پیش کرنے اور اپنی پسند و ناپسند کو عوامی احساسات کے طور پر پیش کرنے کا نہ ہو۔ معلومات جمع کرنے میں اس کا رویہ پک اینڈ چوز کا نہ ہو اور اسی طرح مرضی کے خلاف کسی قسم کے حقائق کو تاویل و توجیہ سے بدلنے کا بھی نہیں ہونا چاہیے۔

اس حوالے سے دوسری اہم ذمہ داری یہ ہے کہ لوگوں کا رائے قائم کرنے اور رائے عامہ ہموار کرنے کا معیار ان کے جذبات، تعصّبات، نظریات، گروہی مفادات اور ذاتی پسند و ناپسند نہ ہوں۔ بلکہ ضروری ہے کہ انسان حقائق کو معروضی طور پر ویسے ہی سمجھے اور بیان کرے جیسے کہ وہ ہیں نہ کہ مذکورہ بالا چیزوں کی بنا پر حقائق کو بدلنے کی کوشش کرے۔

ان دونوں امور کا خیال جب نہیں رکھا جاتا تو پھر کیا ہوتا ہے اس کو ایک مثال سے یوں سمجھیں کہ اگر مذکورہ بالا وجوہات کی بنا پر مجھے کسی سیاستدان سے نفرت ہوگئی ہے، تو میں یہ طے کرلوں گا کہ اب ہمیشہ اس کے خلاف بات کروں۔ میں ان تمام حقائق، واقعات اور اعداد وشمار کو بالکل نظر انداز کردوں گا جو اُس خاص سیاستدان کے حق میں ہوں گے اور ہر بے بنیاد بات، جھوٹ اور پروپیگنڈے کو بے دریغ پھیلاؤں گا جو اس کے خلاف ہوگی۔ کوئی شخص اگر میری مرضی اور آراء کے خلاف کھلے حقائق بھی پیش کردے تو میں ان حقائق کو یا تو تسلیم کرنے سے انکار کردوں گا یا پھر غیر متعلق گفتگو کر کے حقیقت سے منہ چرانے کی کوشش کروں گا۔

اسی طرح اگر میں اپنی نفسیات کی بنا پر ٹکراؤ کو پسند کرتا ہوں اور میرے اندر غصہ اور نفرت کا الاؤ دہکتا ہے تو پھر میں ہر اس سوچ، خیال، رائے اور نقطہ نظر کی تردید کرنا اپنا فرض سمجھوں گا جو تعمیر، صلح، امن اور ترقی کا راستہ دکھا رہی ہوگی۔ میں ایسے لوگوں کو بدنام کروں گا، ان کو ڈس کریڈٹ کروں گا اور کوشش کروں گا کہ اپنے اس پست رویے کو اپنے زورِ بیان کے بل بوتے پر ایک درست رویہ قرار دوں۔

ان دونوں صورتوں میں لوگ اپنے آپ کو ایسے پیش کرتے ہیں گویا وہ ایک بہت اصولی انسان ہوں۔ مگر یہ درحقیقت کھلی بددیانتی ہے۔ اور یہی رویہ ہمارے ہاں بیشتر سیاسی، مذہبی اور فکری معاملات میں کنفیوژن کا سبب ہے۔ ہمارے لکھنے اور بولنے والے جب تک اس غیر ذمہ دارانہ اور غیر اخلاقی رویہ کو نہیں چھوڑیں گے ہماری قوم کنفیوژن سے نہیں نکلے گی۔

تاہم قوم کنفیوژن سے نکلے یا نہ نکلے، ایسے لوگ خدا کے ہاں دوسروں کو گمراہ کرنے والے مجرموں کے طور پر ضرور پیش ہوں گے۔ کیونکہ یہ رویہ ایمان کے منافی ہے اور اس کے نتیجے میں انسان جو بات بولتا ہے وہ اکثر خلاف عدل ہوتی ہے۔ یہ وہ چیز ہے جو خدا کو سخت ناپسند ہے۔

ایمانیات: فرقہ واریت کے خاتمے کا راستہ

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین پانچ بنیادی ایمانیات پر قائم ہے: توحید، آخرت، نبوت، فرشتوں اور کتابوں پر ایمان۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''اور جو اللہ اور اُس کے فرشتوں اور اُس کی کتابوں اور اُس کے رسولوں اور قیامت کے دن (اُس کے حضور میں پیشی) کا کفر کریں، وہ بہت دور کی گم راہی میں جا پڑے ہیں''، (النساء4:137)

یہی دینِ اسلام کے وہ مطالبات ہیں جو ایمان کے ضمن میں اللہ تعالیٰ نے ہمارے سامنے رکھے ہیں اور جیسا کہ اس آیت میں بیان ہوا، ان کا کفر کرنا دور کی گمراہی ہے۔ قرآن مجید نے دیگر مقامات پر انھی پانچ ایمانیات کو بعینہٖ بیان کیا ہے یا موقع محل کے لحاظ سے ان میں سے کچھ کو لے لیا ہے۔ مگر ان میں کوئی اضافہ ہرگز نہیں کیا اور نہ کسی اور کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ قرآن مجید کے بیان کردہ ان پانچ بنیادی ایمانیات میں اضافہ کرے۔

البتہ جو چیز قرآن مجید میں بیان ہوئی اور بعض روایات میں بھی، وہ یہ تھی کہ ان ایمانیات کی کچھ تفصیل کی گئی ہے۔ مثلاً قرآن مجید میں نبوت کے ضمن میں یہ بتایا گیا ہے کہ حضور خاتم النبیین ہیں، (الاحزاب 33:40) یا نبوت کے باب میں حضور یا آپ سے پہلے ہونے والی وحی پر ہی ایمان مطلوب ہے، (النساء4:137)۔ اس طرح کی تمام تفصیلات نبوت پر ایمان کا جز ہیں نہ کہ کوئی چھٹی یا ساتویں ایمانیات۔

اسی طرح بعض روایات میں ان پانچ ایمانیات کے ساتھ اچھی بری تقدیر کے اللہ کی طرف سے ہونے پر ایمان کا بھی ذکر ہے، (تومن بالقدرخیره و شره من الله تعالیٰ، متفق علیہ)۔ یہ بھی قرآن مجید میں مذکور ایمان باللہ ہی کی ایک فرع کا بیان ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کائنات کو بنا کر فارغ نہیں ہو گیا ہے، وہ ایک اندازے (تقدیر) کے مطابق اس کا نظام

چلا رہا ہے۔اس تقدیر میں بعض چیزیں انسانوں کے لحاظ سے اچھی یا خیر ہوتی ہیں جیسے مال، اولاد اور دیگر نعمتیں اور بعض چیزیں مادی طور پر بری یا شر سمجھی جاتی ہیں جیسے موت، بیماری وغیرہ۔ چنانچہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی نے کوئی خیر مانگنا ہے تو وہ اپنی طرف سے اسباب مہیا کرنے کے بعد اس خیر کو خدا سے مانگے اور شر سے بچنا ہے تو اسی سے فریاد کرے۔

خدا کی مقررہ تقدیر اور سارے نفع وضرر کا خدا کے ہاتھ میں ہونا اصلاً قرآن مجید میں بیان ہوا ہے۔قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی طے کردہ اس تقدیر اور اندازے کو بھی بیان کرتا ہے جو سرتاسر علم وحکمت پر مبنی ہے اور یہ بھی بتاتا ہے کہ اسی کے ہاتھ میں سارا نفع وضرر ہے۔اس حقیقت کو نہ مانا جائے تو شرک کا وہ دروازہ کھل جاتا ہے جس میں ہر دور کی مشرک اقوام مبتلا رہی ہیں۔ان اقوام میں یہ تصورات پائے جاتے تھے کہ خدا کے کچھ شریک ہیں جن کے ہاتھ میں خیر وشر اور نفع وضرر ہے۔لوگ ان سے مرادیں مانگتے اور ان کے حضور دعا وفریاد کرتے تھے۔ان کی عبادت کی جاتی اور اپنی حاجت براری کے لیے ان کے حضور نذریں پیش کی جاتی تھیں۔قرآن مجید نے نہ صرف یہ واضح کیا کہ یہ اللہ ہی کی ہستی ہے جس کے ہاتھ میں سارا اختیار ہے بلکہ اس حقیقت کو بھی بہت دہرایا ہے کہ غیر اللہ کے ہاتھ میں کچھ نہیں۔

غیر اللہ کے ہاتھ میں خیر وشر کا یہ باطل تصور قدیم امتوں کو بھی شرک میں مبتلا کرتا رہا اور خود امت مسلمہ کی گمراہی کا سبب بھی بنا۔اسی لیے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اہمیت کو نمایاں کرنے کے لیے ایمان باللہ کی ایک فرع کے طور پر اسے الگ سے بھی بیان کیا۔بالکل ایسے ہی اس روایت میں آخرت پر ایمان کی یہ فرع بھی بیان کی گئی ہے کہ اس کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں۔یہ کسی ساتویں عقیدے کا بیان نہیں بلکہ آخرت پر ایمان کی ایک فرع ہے جو قرآن میں پہلے ہی بیان ہو چکی ہے۔

یہ قرآن مجید سے جدا کوئی اجنبی اسلوب نہیں۔سورہ بقرہ آیت 285 میں ایمانیات کا ذکر کرتے ہوئے یہ بات بیچ میں بیان کردی گئی کہ ایمان والے نبیوں میں سے کسی کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے۔تمام نبیوں پر یکساں ایمان کی یہ بات خاص طور پر یہود کے پس منظر میں کہی گئی تھی جو بعض نبیوں کا کفر کرتے تھے۔اس لیے یہ بات ایمان بالرسالت کا ایک جز ہے نہ کہ کسی اضافی عقیدے کا بیان۔

چنانچہ روایات میں نہ قرآن مجید کے بیان کردہ پانچ ایمانیات سے بڑھ کر کچھ بیان ہوا ہے، نہ قرآن مجید کے طریقے یعنی ایمان کی کسی اہم فرع کی خصوصی وضاحت سے ہٹ کر کچھ معاملہ ہوا ہے۔مگر بدقسمتی سے اس واضح حقیقت کو سمجھنے کے بجائے ابتدائی صدیوں میں پیدا ہونے والے کچھ کلامی مباحث کی بنا پر تقدیر پر ایمان کو چھٹا عقیدہ سمجھ لیا گیا جبکہ یہ ایمان باللہ کی ایک فرع کا بیان تھا۔اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بعد میں آنے والوں نے ”اجتہاد“ کر کے قرآن مجید کے بیان کردہ پانچ ایمانیات میں ختم نہ ہونے والے اضافے کرنا شروع کر دیے۔اسی سے تمام فرقہ واریت کا دروازہ کھل گیا کیونکہ یہ عقائد کا فرق ہے جو الگ فرقے کو جنم دیتا ہے۔اسی سے مسلمانوں کو کافر قرار دینے کی مہم کا آغاز ہوا۔کیونکہ کچھ لوگ جب پانچ عقائد سے بڑھ کر اپنے اضافی عقائد مانیں گے اور کچھ دوسرے لوگ کچھ دوسری چیزوں کو ان پانچ ایمانیات سے ہٹ کر مانیں گے تو عقائد کا یہ فرق لازماً کفر و ایمان اور فرقہ واریت کا مسئلہ پیدا کر دے گا۔

لیکن اگر اللہ اور اس کے رسول کی بات مان لی جائے اور صرف پانچ قرآنی ایمانیات تک خود کو محدود کر لیا جائے تو کچھ اور ہو نہ ہو فرقہ واریت اور تکفیر کی آگ ضرور ٹھنڈی پڑ جائے گی۔

ابو یحییٰ

اسلام اور لونڈی غلام (5)

پچھلی قسط میں ہم نے اس سوال کا جواب دینے کی کوشش کی تھی کہ نزول قرآن کے وقت اللہ تعالیٰ نے لونڈیوں کے ساتھ تعلق قائم کرنے کے عمل کو ممنوع قرار نہیں دیا تو اس کا پس منظر کیا تھا، نیز یہ بھی واضح کیا تھا کہ قرآن مجید میں لونڈی غلاموں کے ذکر کا مطلب یہ نہیں کہ تا قیامت یہ کوئی مطلوب چیز ہے۔ اس قسط میں ہم اس سوال کا جواب دینے کی کوشش کریں گے کہ اسلام نے ایک حکم جاری کر کے ہمیشہ کے لیے غلامی کو حرام قرار دینے کا راستہ کیوں اختیار نہ کیا۔

قرآن نے غلامی کو ایک دم کیوں ختم نہ کیا؟

معترضین یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سرزمین عرب پر مکمل اقتدار حاصل ہو چکا تھا۔ عرب کے تمام لوگوں نے اسلام قبول کرلیا تھا۔ اس لیے پیغمبر اسلام کے لیے کیا مشکل تھا کہ وہ ایک حکم جاری کرتے اور غلامی کا خاتمہ ہو جاتا؟

یہ سوال بھی پچھلے سوالوں کی طرح غلامی کے مسئلے کو قدیم سماج کے تناظر میں نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے۔ جہاں تک اقتدار کا تعلق ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی پہلے نبی نہ تھے جنھیں اقتدار ملا تھا۔ آپ سے قبل حضرت موسیٰ، حضرت یوسف، حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کو اپنی اقوام پر غیر معمولی اقتدار مل چکا تھا۔ حضرت یوسف کو چھوڑ کر باقی تینوں انبیا کی رعیت مسلمان بھی تھی۔ مگر معلوم ہے کہ اس اقتدار کے باوجود انھوں نے غلامی کو ختم کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اس کی وجہ یہ حقیقت تھی کہ غلامی قدیم انسانی معاشروں کے رگ و پے میں اس طرح سرائیت کر چکی تھی کہ اس کا خاتمہ کسی اعلان یا حکم سے ممکن ہی نہ تھا۔ ایسا کوئی حکم دے دیا جاتا تو اول تو وہ قابل عمل نہ

ہوتا اور کسی طرح اس پر عمل بھی کرا دیا جاتا تو اس کے نتائج وہ نکلتے جو غلامی سے زیادہ بڑی برائیوں کو جنم دینے کا سبب بن جاتے۔

آج کے دور میں کاغذ قلم اٹھا کر یا کمپیوٹر اور موبائل پر غلامی کے خاتمے کا فرمان لکھنا جتنا آسان ہے، زمانہ قدیم میں ایسا کوئی حکم جاری کرنا، معاشرے سے اس کو منوانا اور پھر نکلنے والے نتائج کا سامنا کرنا اتنا ہی مشکل کام تھا۔ کیونکہ ایسا کرنے کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ اُس دور کا پورا سماجی، معاشی اور سیاسی ڈھانچہ زمین بوس ہو جاتا ہے۔ غلامی کے رواج کی برائی کو دیکھتے ہوئے یہ بھی گوارا کیا جا سکتا ہے، مگر ایسا کوئی حکم سب سے بڑھ کر انھی لونڈی غلاموں کو مشقت میں ڈال دیتا جن کی آزادی کے لیے یہ حکم دیا جانا مقصود تھا۔

جیسا کہ پیچھے کہیں بیان ہو چکا ہے کہ غلامی کا نام سنتے ہی آج کے لوگوں کے ذہن میں نوجوان حسین لونڈیاں آ جاتی ہیں۔ شاہی محلات کی حد تک شاید یہ بات درست ہوگی، مگر معاشرتی سطح پر صورتحال بالکل مختلف تھی۔ لونڈی غلام ہر عمر کے ہوتے تھے جو اپنی پوری زندگی اپنے مالکوں کے گھروں پر گزارتے تھے۔ ان کے مالک گرچہ ان سے ہر طرح کی خدمت لیتے، مگر بہر حال غلاموں کی رہائش، غذا، لباس اور دیگر ضروریات زندگی بھی یہی لوگ فراہم کیا کرتے تھے۔

ایسے میں اگر ان کے مالک اللہ کے حکم پر ایک دم سب لونڈی غلاموں کو آزاد کر کے گھروں سے نکال دیتے تو یقیناً یہ سب لوگ آزاد ہو جاتے، مگر اس کا دوسرا نتیجہ یہ نکلتا کہ بنیادی ضروریات سے محروم ان گنت مرد و زن گلیوں میں نکل آتے۔ ایسے میں جوان عورتیں شاید قحبہ گری سے پیٹ کا ایندھن بجھا لیتیں اور جوان غلام کچھ محنت مزدوری کر لیتے، مگر باقی لونڈی غلاموں کے پاس چوری، ڈاکے اور بھیک مانگنے کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا۔

چنانچہ جن لونڈی غلاموں کی محبت میں یہ ساری بات کہی جا رہی ہے، ایسا کوئی بھی حکم سب

سے بڑھ کر انھی کے لیے باعث ضرر ہوتا۔

موجودہ سروس انڈسٹری کے فوری خاتمے کے نتائج

قدیم سماج میں غلامی کی حقیقی نوعیت کو سمجھاتے ہوئے ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ یہ زمانہ قدیم کی سروس انڈسٹری تھی۔اس زمانے میں غلاموں کی معاشی حیثیت آج کے زمانے کے ملازمین کی تھی جن پر پوری معیشت ومعاشرت کا دارومدار تھا۔اس موازنے سے ہماری مراد یہ نہیں کہ موجودہ ملازمت غلامی جیسی ایک برائی ہے، بلکہ اس بات کو سمجھانا ہے کہ معیشت اور معاشرت کے نظام میں ان کی کیا حیثیت تھی۔اس موازنے کو ذہن میں رکھتے ہوئے اب ایک کیس اسٹڈی کا مفروضہ ہم قارئین کے سامنے رکھتے ہیں۔

موجودہ دور میں بہت سے مالکان اپنے گھریلو اور کاروباری ملازمین کا استحصال کرتے ہیں۔ ان سے طویل اوقات تک بلا معاوضہ کام کرواتے ہیں، کم سے کم تنخواہ دینے کی کوشش کرتے ہیں، بسا اوقات ان کی تنخواہیں روک لیتے ہیں، خواتین ملازموں کو بہت مرتبہ جنسی طور پر ہراساں کیا جاتا ہے۔ان حالات میں فرض کریں کہ کوئی مصلح اٹھتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ ایک ظلم ہے کہ کچھ لوگ مالک بنیں اور کچھ ملازمت کریں۔وہ یہ چاہتا ہے کہ دنیا سے ملازمت کا خاتمہ ہو جائے اور تمام لوگ آزادانہ اپنا کاروبار کرنے کے قابل ہو جائیں۔ایسے کسی مصلح کو دنیا کے کسی ملک کا اقتدار مل جائے اور وہ اس قابل ہو جائے کہ وہ جو حکم دے گا اسے ہر حال میں پورا کیا جائے گا تو آپ کے خیال میں اس کا پہلا حکم کیا ہونا چاہیے؟

کیا اس کے لیے یہ قانون بنانا ممکن ہوگا کہ بیک جنبش قلم تمام ملازمین کو فارغ کر کے آئندہ کے لیے ملازمت کو قابل تعزیر جرم قرار دے دیا جائے؟ فرض کیجیے کہ ایک حکمران ایسا کوئی قانون بنا کر اس پر عمل درآمد کرا بھی لیتا ہے تو اس کے نتیجے میں کروڑوں انسان ایک دن میں بے روزگار

ہو جائیں گے۔سوال یہ ہے کہ اتنی بڑی تعداد میں لوگوں کے گزارے کا انتظام کیسے ہوگا؟ کون سی ریاست اتنے لوگوں کے اخراجات اٹھا سکتی ہے؟ چنانچہ پھر یہ بے روزگار مجبور ہو کر روٹی، کپڑے اور مکان کے حصول کے لیے چوری، ڈاکہ زنی، بھیک اور جسم فروشی کا راستہ اختیار کریں گے۔ جس کے نتیجے میں پورے معاشرے کا نظام تلپٹ ہو جائے گا اور ایک برائی کو ختم کرنے کی انقلابی کوشش کے نتیجے میں ایک ہزار برائیاں پیدا ہو جائیں گی۔

اسلام کا حل: تدریج

یہ بات بالکل واضح ہے کہ اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے تدریجی اصلاح کا طریقہ ہی کارآمد ہوگا۔اس طریقے میں مالک و ملازم کے تعلق کی بجائے کوئی نیا تعلق پیدا کرنے کی کوشش کی جائے گی۔لوگوں میں یہ شعور پیدا کیا جائے گا کہ وہ اپنے کاروبار کو ترجیح دیں۔انہیں کاروبار کرنے کی تربیت دی جائے گی۔ جو لوگ اس میں آگے بڑھیں، انہیں بلا سود قرضے دیے جائیں گے اور تدریجاً تمام لوگوں کو ملازمت کی غلامی سے نجات دلا کر مکمل آزاد کیا جائے گا۔

عین ممکن ہے کہ اس سارے عمل میں صدیاں لگ جائیں، مگر اس کے سوا کوئی حل قابل عمل نہیں ہے۔ممکن ہے کہ ہزار سال کے بعد جب دنیا اس مسئلے کو حل کر چکی ہو تو بہت سے لوگ اس حل پر تنقید کریں اور یہ کہیں کہ ملازمت تو ایک حکم پر ختم کی جا سکتی تھی۔مگر آج سروس انڈسٹری کے دور میں زندگی گزارتے ہوئے ہم یہ بات جانتے ہیں کہ ایسی کوئی چیز ممکن نہیں اور ایسا کچھ کیا جائے گا تو معاشرہ تباہ و برباد ہو جائے گا۔

اب اسی مثال کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم پر منطبق کیجیے۔ اسلام غلامی کا آغاز کرنے والا نہیں تھا، بلکہ وہ اسے ورثے میں ملی تھی۔اسلام کو اس مسئلے سے نمٹنا تھا۔عرب میں بلا مبالغہ ہزاروں لونڈی غلام موجود تھے۔وہ زندگی کے ہر میدان میں کام کر رہے

تھے۔ اگر ان سب غلاموں کو ایک ہی دن میں آزاد کر دیا جاتا تو نتیجہ اس کے سوا کچھ نہ نکلتا کہ ہزاروں کی تعداد میں طوائفیں، ڈاکو، چور، بھکاری وجود میں آتے جنہیں سنبھالنا شاید کسی کے بس کی بات نہ ہوتی۔

اس طرح کی انقلابی تبدیلیوں کی یہ خصوصیت ہوتی ہے کہ جہاں وہ ایک برائی کو ختم کرتی ہیں وہاں دس نئی برائیوں کو جنم دیتی ہیں۔اسی وجہ سے اسلام نے برائیوں کے خاتمے کے لئے بالعموم انقلاب (Revolution) کی بجائے تدریجی اصلاح (Evolution) کا طریقہ اختیار کیا۔ چنانچہ اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے بھی اسلام نے تدریجی طریقہ اختیار کیا۔اس ضمن میں جو اقدامات کیے گئے ان مین سے کچھ اہم یہ ہیں۔

غلامی ختم کرنے کے اقدامات

۔ غلام آزاد کرنے کے عمل کو نہ صرف ایک بہت بڑی نیکی قرار دیا گیا بلکہ بہت سے معاملات میں کسی شرعی قانون کی خلاف ورزی کی شکل میں غلام آزاد کرنے کو کفارہ بنا دیا گیا۔ان دونوں چیزوں کی بنا پر لونڈی غلام نہ صرف آزاد ہونا شروع ہوئے بلکہ یہ تصور بھی راسخ ہونے لگا کہ انسانوں کی آزادی نہ کہ ان کی غلامی، انسانوں کے اصل مالک کو مطلوب ہے۔

۔ لونڈی غلاموں سے اچھا سلوک کرنے کی تلقین کی گئی۔لوگوں کو حکم دیا گیا کہ جو تم خود کھاؤ وہی انہیں کھلاؤ، جو خود پہنو، وہی انہیں پہناؤ اور ان کے ساتھ عمدہ برتاؤ کرو۔ غلاموں کو اپنا بھائی سمجھو، ان کا خیال رکھو اور ان پر ظلم نہ کرو۔اسی تربیت کا نتیجہ یہ نکلا کہ صحابہ کرام اپنے غلاموں سے اچھا برتاؤ کرنے لگے اور ان کا معیار زندگی بلند ہو گیا۔سیرت و روایات کے زخیرہ میں ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ اور ان کے غلام کو دیکھ کر یہ پہچاننا مشکل تھا کہ آقا کون ہے اور غلام کون ہے۔سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا اپنے غلاموں سے بیٹوں کا سا سلوک

کرتیں۔

۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو حکم دیا کہ اپنے غلاموں اور لونڈیوں کو اعلیٰ اخلاقی تربیت دیں اور انہیں آزاد کر دیں۔ لونڈیوں کو آزاد کرنے کے بعد ان سے شادی کرنے کو ایسا کام قرار دیا جس پر اللہ تعالیٰ کے حضور دوہرے اجر کی نوید ہے۔ ہدایت کی گئی کہ لونڈی غلاموں میں سے جو باصلاحیت ہوں، ان کی شادی کردی جائے تاکہ ان کی معاشرتی حیثیت بہتر ہو جائے۔ بعد کے دور میں ہمیں ایسے بہت سے غلاموں یا آزاد کردہ غلاموں کا ذکر ملتا ہے جو علمی اعتبار سے جلیل القدر علما صحابہ کے ہم پلہ تھے۔ ایک مثال سیدنا سالم رضی اللہ عنہ تھے جن کا شمار ابی بن کعب، عبداللہ بن مسعود اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر صحابہ میں ہوتا ہے۔

۔مثال قائم کرنے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تمام غلام آزاد کیے یہاں تک کہ اپنی وفات کے وقت آپ کے پاس کوئی غلام نہ تھا (حضرت ماریہ قبطیہ کے حوالے سے تفصیلی گفتگو اس سلسلہ بحث میں الگ سے کی جائے گی)۔ آپ کے جلیل القدر صحابہ کا بھی یہی عمل تھا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی دولت سے ایسے غلام خرید کر آزاد کیے جن پر ان کے مالک اسلام لانے کے باعث ظلم کرتے تھے۔ صحابہ کی تاریخ میں ایسے بہت سے غلاموں کا ذکر ملتا ہے جو آزاد کیے گئے تھے۔ ان کے حالات پر کئی کتابیں بھی لکھی گئیں جو کتب المموالی کہلاتی ہیں۔

۔دور جاہلیت میں آزاد کردہ غلاموں کو بھی کوئی معاشرتی مقام حاصل نہ تھا۔ قرآن مجید نے جب نکاح کو فروغ دیا تو جو لوگ آزاد خواتین سے نکاح کرنے کے قابل نہ تھے، انھیں یہ کہہ کر لونڈیوں سے نکاح کی تلقین کی گئی کہ تم سب ایک ہی جنس سے ہو (النساء 25:4)۔ یوں قرآن مجید نے لونڈی غلاموں کو ایمانی اور معاشرتی طور پر عام لوگوں کے ہم پلہ قرار دے دیا۔

۔ایسے غلام جو آزادی کے طالب تھے، ان کی آزادی کے لیے قرآن نے ''مکاتبت'' کا

دروازہ کھولا۔اس کے مطابق جو غلام آزادی کا طالب تھا، وہ اپنے مالک کو اپنی مارکیٹ ویلیو کے مطابق قسطوں میں رقم ادا کر کے آزاد ہوسکتا تھا۔صحابہ کرام ایسے غلاموں کی مالی مدد کرتے جو مکاتبت کے ذریعے آزاد ہونا چاہتے تھے۔سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک لونڈی بریرہ رضی اللہ عنہا کے مالک کو رقم ادا کر کے انہیں آزاد کروایا تھا۔قرآن نے حکومتی خزانے میں سے ایسے غلاموں کی مالی امداد کا حکم دیا ہے۔یہ وہ حکم تھا جس نے تدریجی اور قانونی طریقے سے غلامی کی لعنت کے خاتمے کی بنیاد رکھ دی۔

۔غلامی کی سب سے بڑی جڑ جنگی قیدی تھے جن کو غلام بنالیا جاتا تھا۔قرآن نے جنگی قیدیوں کے بارے میں یہ حکم دیا کہ یا تو انہیں بلا معاوضہ آزاد کر دیا جائے یا پھر ان سے جنگی تاوان وصول کر کے آزاد کیا جائے۔اس طرح نئے غلام اور کنیزیں بننے کا سلسلہ رک گیا۔

ایک آخری سوال: غلامی ختم کیوں نہ ہوسکی

اس ضمن کا ایک آخری اور اہم ترین سوال یہ ہے کہ ان تمام اقدامات کے بعد بھی مسلم معاشرے میں غلامی ختم کیوں نہ ہوسکی۔کیوں ایسا ہوا کہ بیسویں صدی تک عرب کے معاشرے میں لونڈی غلام بازاروں میں بکتے رہے؟

ہمارے نزدیک اس معاملے میں اصل سانحہ یہ ہوا کہ خلافت راشدہ میں جب عرب مسلمانوں نے عالم عجم کو فتح کیا تو ان فتوحات کے نتیجے میں لاکھوں مربع میل پر پھیلی قیصر و کسریٰ کی عظیم سلطنتوں میں پائے جانے والے لاکھوں بلکہ کروڑں غلام اسلامی معاشرے میں ایک دم داخل ہوگئے ۔اس بات کو سمجھنا قطعاً مشکل نہیں کہ جب عرب معاشرے میں موجود ہزاروں غلاموں کو بیک جنبش قلم آزاد کرنا ممکن نہ تھا تو عجم کے لاکھوں غلاموں کے معاملے میں یہ کرنا بدرجہ اولیٰ مشکل تھا۔صحابہ کرام نے انفرادی طور پر اپنی حد تک یہ کام جاری رکھا مگر سرکاری طور پر

خلافت کا مکمل فوکس ایران وروم کے خلاف ہونے والی جنگیں تھی۔ پھر خلافت راشدہ کے نصف آخر میں مسلمانوں کا باہمی خلفشار شروع ہوگیا۔اس دوران میں قرآن مجید کا فہم رکھنے والے اور اسلامی روح کو سمجھنے والے صحابہ کرام کی تعداد تیزی سے کم ہوتی چلی گئ۔

یہاں تک کہ خلافت راشدہ کے بعد بنوامیہ کے دور میں جب باہمی جنگوں کا یہ سلسلہ تھما تو مسلم معاشرہ ملوکیت کی اجتماعی غلامی کا شکار ہو چکا تھا۔ جو معاشرہ اجتماعی غلامی کا شکار ہو وہ انفرادی غلامی کے لیے کیا جدوجہد کرسکتا تھا۔ چنانچہ سب نے غلامی کو ایک ناقابل تغیر حقیقت کے طور پر قبول کرلیا اور رفتہ رفتہ غلامی کی لعنت کو مذہبی جواز بھی ملتا چلا گیا۔

’’ان سے کہو کہ آؤ میں تمھیں سناؤں تمھارے رب نے تم پر کیا چیزیں حرام کی ہیں: یہ کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو، اور اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو، ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی دیں گے۔ اور بے حیائی کی باتوں کے قریب بھی نہ جاؤ خواہ وہ کھلی ہوں یا چھپی، اور کسی جان کو جسے اللہ نے محترم (ٹھہرایا) ہے ہلاک نہ کرو مگر حق کے ساتھ۔ یہ باتیں ہیں جن کی ہدایت اس نے تمہیں کی ہے، شاید کہ تم سمجھ بوجھ سے کام لو۔ اور یہ کہ یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر ایسے طریقہ سے جو بہترین ہو، یہاں تک کہ وہ اپنے سن رشد (بلوغت) کو پہنچ جائے۔ اور ناپ تول میں پورا انصاف کرو، ہم ہر شخص پر ذمہ داری کا اتنا ہی بار رکھتے ہیں جتنا اس کے امکان میں ہے۔ اور جب بات کہو انصاف کی کہو خواہ معاملہ اپنے رشتہ دار ہی کا کیوں نہ ہو، اور اللہ کے عہد کو پورا کرو، ان باتوں کی ہدایت اللہ نے تمہیں کی ہے شاید کہ تم نصیحت قبول کرو۔ نیز اس کی ہدایت یہ ہے کہ یہی میرا سیدھا راستہ ہے لہٰذا تم اسی پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ اس کے راستے سے ہٹا کر تمہیں پراگندہ کردیں گے۔ یہ ہے وہ وصیت جو تمھارے رب نے تمہیں کی ہے، شاید کہ تم کج روی سے بچو۔‘‘
(الانعام151-153:6)

سوال وجواب

ابو یحییٰ

ہم اللہ کا شکر کیوں ادا کریں؟

سوال: السلام علیکم۔ کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالی نے انسان کو بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے تو انسان کو منعم کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ وہ بغیر کسی استحقاق کے اتنا کرم کر رہا ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ والدین ہمیں اس دنیا میں لاتے ہیں تو ان پر کچھ فرائض عائد ہو جاتے ہیں کہ وہ اولاد کی دیکھ بھال کریں، اس کی پرورش، خوراک وغیرہ؛ تو خدا نے جب انسان کو پیدا کیا ہے تو یہ انسان کا حق بنتا ہے کہ اسے تمام ان نعمتوں سے نوازا جائے جو اس دنیا کی زندگی کے لیے ناگزیر ہیں جیسے کہ آکسیجن وغیرہ، تو خدا کا شکر کس وجہ سے ادا کرنا چاہیے، ہمیں تو ہمارا حق مل رہا ہے۔ کیا یہ خدا کی ذمہ داری نہیں تھی؟ حمزہ طارق۔

جواب: محترم حمزہ طارق صاحب!

السلام علیکم ورحمت اللہ وبرکاتہ۔ دیکھیے محترم بھائی اس سوال میں ایک غلط تقابل ہے۔ وہ تقابل والدین کا اور خدا کا ہے۔ والدین پر اولاد کا حق اس وجہ سے قائم ہوتا ہے کہ اولاد والدین کی اپنی ضرورت ہے۔ اولاد والدین کے جذبۂ پدری کی تسکین کرتی ہے۔ ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہوتی ہے۔ ان کو زندگی کا مقصد دیتی ہے۔ بڑھاپے میں ان کا بوجھ اٹھاتی ہے۔ ان کی نسل کو جاری رکھتی ہے۔ ان کے مرنے کے بعد ان کے نام کو باقی رکھنے کا ذریعہ بنتی ہے۔

دوسری طرف خدا اس طرح کی ہر احتیاج اور ہر ضرورت سے بلند ہے۔ اس نے انسان کو پیدا کیا ہے، مگر وہ کسی پہلو سے نہ انسانوں کا محتاج ہے اور نہ انسان اس کی کسی پہلو سے مدد کر سکتے ہیں۔ مخلوق نہیں تھی وہ تب بھی تھا اور مخلوق ختم ہو جائے وہ تب بھی رہے گا۔ چنانچہ اس پر کسی کا کوئی حق قائم ہی نہیں ہوتا۔ یہ صرف اس کی ذاتی شفقت، رحمت اور عنایت ہے کہ وہ دوسروں کو وجود

دیتا ہے۔ زندگی دیتا ہے۔ زندگی کی ہر ضرورت فراہم کرتا ہے۔ خاص طور پر انسان کو اس نے جو کچھ دیا ہے وہ اپنی مخلوقات میں سے کسی اور کو نہیں دیا۔

باقی جہاں تک اس استدلال کا سوال ہے کہ خدا نے انسان کو پیدا کر دیا تو اب یہ انسان کا حق بن گیا ہے کہ اسے سب کچھ دیا جائے تو یہ استدلال اپنی ذات میں غیر عقلی اور غیر اخلاقی ہے۔ دیکھیے وجودِ ہستی اور زندگی اپنی ذات میں سب سے بڑی نعمت ہے۔ یہ نعمت انسان کو بلا استحقاق ملی ہے۔ اب ہونا تو یہ چاہیے کہ اس نعمت کے بعد آدمی شکر کرے، مگر جواب میں وہ یہ استدلال کرے کہ اب تم نے پیدا کر دیا ہے تو مزید نعمت بھی میرا حق بن چکا ہے تو اسے ڈھٹائی اور بے شرمی کے سوا کچھ اور نہیں کہا جا سکتا۔ کسی غریب بے گھر انسان کو کوئی نیک شخص اگر گھر دلا دے تو کیا اس غریب کا حق بن جاتا ہے کہ وہ نیک آدمی اس کے گھر کو ساری ضروریات زندگی سے بھی بھر دے؟ اگر وہ یہ کرتا ہے تو یہ اس نیک آدمی کی مہربانی مزید ہوتی ہے، اس غریب کا کوئی حق نہیں بن جاتا کہ گھر کی ساری ضروریات بھی وہ نیک آدمی فراہم کرے۔ یہی معاملہ خدا کا ہے۔ وہ زندگی کی نعمت دیتا ہے تو اس کی مہربانی۔ وہ اسباب زندگی دیتا ہے تو اس کی مزید مہربانی ہے۔ یہ انسان کا حق ہرگز نہیں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ خدا کے معاملے میں شکر گزاری اس وجہ سے ضروری ہے کہ اس نے جو دیا بغیر کسی حق کے دیا۔ گرچہ والدین کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری ہے کہ یہ ایک اخلاقی تقاضا ہے۔ کیونکہ وہ اس وقت انسان پر رحم کرتے ہیں جب انسان سب سے بڑھ کر محتاج ہوتا ہے۔ مگر خدا کا معاملہ بالکل جدا ہے۔ اس نے جس کو جو دیا بغیر کسی حق کے دیا ہے۔ اس پر کسی حوالے سے کوئی فرض عائد نہیں ہوتا۔ مگر وہ یکطرفہ طور پر انسان اور دیگر مخلوقات کو دیے چلا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنی ذات میں ایک انتہائی خوبصورت، اعلیٰ، کریم، مہربان اور شفیق ہستی ہے۔ مزید یہ کہ زندگی بھی اس کی نعمت ہے اور اسباب زندگی بھی اسی کی نعمت ہیں۔ انسان کا حق نہ زندگی کا تھا نہ اسبابِ زندگی

کا ہے۔ انسان کے لیے ایک ہی راہ ہے اور وہ شکر گزاری ہے۔ انسان یہ کرے گا تو اسے جنت کی شکل میں نعمت کامل دے دی جائے گی اور نہیں کرے گا تو جہنم کے قید خانے میں جا کر اندازہ کر لے گا کہ خدا کے مقابلے میں اس کے پاس نہ کوئی طاقت ہے اور نہ قوت۔

امید ہے بات واضح ہو گئی ہو گی۔

والسلام

ابو یحییٰ

''اور ان مومنوں کا طرز عمل یہ ہوتا ہے کہ اللہ کے ساتھ اپنے عہد کو پورا کرتے ہیں اور اپنے پیمان کو نہیں توڑتے،

اور اللہ نے جن جن روابط کو برقرار رکھنے کا حکم دیا ہے انہیں برقرار رکھتے ہیں،

اور اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور اس بات کا خوف رکھتے ہیں کہ کہیں ان سے بری طرح حساب نہ لیا جائے،

اور ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ اپنے رب کی رضا کے لیے صبر سے کام لیتے ہیں،

اور نماز قائم کرتے ہیں،

اور ہمارے دیے ہوئے رزق میں سے علانیہ اور پوشیدہ خرچ کرتے ہیں،

اور برائی کو بھلائی سے دفع کرتے ہیں،

آخرت کا گھر اِنہی لوگوں کے لیے ہے، یعنی ایسے باغ جو ان کی ابدی قیام گاہ ہوں گے۔ وہ خود بھی ان میں داخل ہوں گے اور ان کے آباؤ اجداد اور ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے جو جو صالح ہیں وہ بھی ان کے ساتھ وہاں جائیں گے۔ ملائکہ ہر طرف سے ان کے استقبال کے لیے آئیں گے اور ان سے کہیں گے کہ 'تم پر سلامتی ہے، تم نے دنیا میں جس طرح صبر سے کام لیا اس کی بدولت آج تم اس کے مستحق ہوئے ہو'...... پس کیا ہی خوب ہے یہ آخرت کا گھر!'' (الرعد 13:24-20)

مولانا محمد ذکوان ندوی

اسلام دینِ امن یا دینِ فطرت

اسلام کے تعارف کے لیے درست عنوان یہ ہے کہ اسلام دینِ فطرت ہے (الروم ۳۰:۳۰)، یعنی جس سلیم فطرت پر خدا نے انسان کو پیدا کیا ہے، اسلام کی تعلیمات عین اُسی فطرت کے مطابق ہیں۔ انسان کی فطرت اور اسلام کی تعلیمات میں کوئی فرق نہیں پایا جاتا۔

تاہم موجودہ زمانے میں عالمی میڈیا اور بعض دوسرے عوامل کی بنا پر اسلام کے لیے ''دینِ فطرت'' کے بجائے ''دینِ امن'' کا عمومی کلچر عام ہو گیا ہے، جو بلاشبہ اسلام کے تعارف کے لیے کوئی حقیقی تعبیر نہیں۔ مختلف اسباب کی بنا پر آج مطلق انداز میں اسلام کی وکالت ''دینِ امن'' کی حیثیت سے کی جا رہی ہے، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اِس قسم کی تعبیر میں یقین رکھنے والے لوگ عملاً خود ایسے موقع پر ہر طرح کے دفاع کا طریقہ اختیار کرتے ہیں، نہ کہ ہمیشہ اپنے اعلان کردہ ''امن'' کا طریقہ۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام دینِ فطرت ہے۔ یہ فطرت اپنے موقع پر آدمی کو امن کی تعلیم بھی دیتی ہے، اور جب اِس قسم کے امن کا موقع نہ ہو تو دفاع، اقدام اور نہی عن المنکر کی تعلیم بھی اِسی فطرت کا عین مطلوب ہوگا۔ یہی علم کا تقاضا بھی ہے اور یہی حقیقت پسندی کا تقاضا بھی۔

تاہم ان میں سے ہر چیز کو جب دین نے موضوع بنایا ہے تو ان کے حدود و قیود طے کیے ہیں۔ ان کو نظر انداز کر کے یا پامال کر کے کوئی قدم اٹھانا دینی احکام کی خلاف ورزی ہوگا۔

ڈاکٹر محمد عقیل

خود سے ملاقات

آج میں آپ کی ملاقات ایسے شخص سے کراتا ہوں جو آپ کے بہت قریب ہے، جو آپ کو بہت اچھی طرح جانتا ہے، آپ سے باتیں کرنا اور ملنا چاہتا ہے، آپ کے ساتھ بستر پر ہوتا ہے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ آپ اس سے ملنے کا وقت ہی نہیں پاتے۔ آپ اس کی سرگوشیوں پر کان نہیں دھرتے، آپ اپنی تنہائیوں میں بھی اس سے دور رہتے ہیں۔ وہ کبھی خوابوں میں بھی آپ کے پاس آ کر آپ سے ملنا چاہتا ہے تو آپ ان اشاروں کو وہم سمجھ کر ٹال دیتے ہیں۔

آپ بھی سوچ میں پڑ گئے ہونگے کہ وہ کون ہے؟ شاید آپ یہ سمجھ رہے ہوں کہ میں کسی فرشتے یا جن کی بات کر رہا ہوں تو ایسا نہیں۔ اگر آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ میں خدا کی بات کر رہا ہوں تو ایسا بھی نہیں۔ پھر ذرا سوچیے، ذہن پر زور ڈالیے کہ وہ کون ایسا شخص ہے جو آپ کے قریب رہتا، آپ سے ملنا چاہتا، آپ سے بات کرنا چاہتا ہے لیکن آپ اس سے کبھی بات ہی نہیں کرتے اور نہ ملاقات کرتے ہیں؟

لگتا ہے آپ کنفیوز ہو رہے ہیں۔ چلیں میں بتا ہی دیتا ہوں۔ وہ شخص آپ خود ہیں۔ ذرا غور کیجیے، آپ اپنی بیوی سے بات کرتے ہیں۔، بچوں کو وقت دیتے ہیں، دوست احباب سے گپیں لگاتے ہیں، ساتھیوں کے ساتھ روز ملتے ہیں، محلے والوں کو سلام کرتے ہیں حتی کہ دفتر کے چپراسی تک سے سلام دعا کرتے رہتے ہیں۔ لیکن کبھی آپ نے اپنے آپ سے بات کی؟ کبھی خود سے ملاقات کی؟ کبھی اپنا حال احوال دریافت کیا؟ کبھی اپنی ضروریات پر کان دھرا؟

آپ شاید ہنس کر یہ کہہ رہے ہوں کہ یہ تو ہم روز کرتے ہیں۔ ہم روز اپنے جسم کی صفائی کر کے اس کا خیال رکھتے، کھانا کھا کر اس کی بھوک مٹاتے، ٹی وی دیکھ کر لذت حاصل کرتے اور

اپنے بدن کے دکھ سکھ کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ بے شک آپ درست کہہ رہے ہیں لیکن میں اس ظاہری اور مادی شخصیت کی بات نہیں کررہا۔اس جسم کا خیال تو ایک جانور بھی رکھتا ہے۔ میں تو اس شخص کی بات کررہا ہوں جو آپ کے اندر بیٹھا ہے۔ جو آپ کی ''میں'' ہے، جو آپ کی خودی ہے، جو آپ کا اپنا آپ ہے اور جو آپ کی اصل شخصیت ہے۔

آپ کا بدن ،جسم ، چہرہ، ہاتھ پاؤں سب ہر دس سال بعد بدل جاتے ہیں لیکن وہ نہیں بدلتا۔ کیا آپ نے کبھی اسے جھانک کر دیکھا ؟ کبھی اس کی بھوک و پیاس کا معلوم کیا ؟ کبھی اس سے باتیں کیں؟ کبھی اس کے مسائل معلوم کیے؟ کبھی اس کا دکھ پوچھا؟

آپ کہیں گے کہ ہمیں تو علم ہی نہیں کہ وہ کس طرح باتیں کرتا ہے؟ کیا کھاتا پیتا ہے؟ کن چیزوں سے غمزدہ یا خوش ہوتا ہے؟۔ ارے بھائی، وہ مادے سے نہیں بنا اسی لیے اس کی ضروریات مادی نہیں غیر مادی ہیں۔اس کی بھوک آپ کے اچھے اعمال سے مٹتی ہے اوراس کی پیاس اچھے خیالات سے بجھتی ہے۔وہ آپ سے نفسیات کی خاموش زبان میں باتیں کرتا ہے،وہ خلق خدا کی خدمت سے خوش ہوتا اوران کی تکلیف پر غمزدہ ہوجاتا ہے۔اور پتا ہے جب آپ اس کے پیٹ میں برائیوں کی غذا انڈیلتے ہیں تو وہ اسے ہضم نہیں کرپاتا اورآپ کے اندر ہی الٹی کردیتا ہے۔جس کا اثر آپ کی نفسیات پر پڑتا ہے۔آپ اس اثر کو نیند کی گولیوں سے دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن یہ تو برے اعمال کا اثر ہوتا ہے جو نیند کی گولیوں سے کہاں دور ہوگا۔

میرے دوست، ہماری اس اندرونی شخصیت کا بھی ایک چہرہ ہوتا ہے جسے صاف رکھنے کے لیے اعلیٰ کردار درکار ہوتا ہے۔ بدکرداری اس چہرے کو کالا کرتی رہتی ہے اوراگر اسے توبہ کے پانی سے دھویا نہ جائے تو یہ منہ کی کالک دیگر اعضاء تک پھیل جاتی ہے اور اس پر گناہوں کی تہیں چڑھتی رہتی ہیں۔ایک وقت آتا ہے کہ اس بدبو اور تعفن سے ہمارا اندرونی وجود گلنے اور سڑنے

لگتا ہے جس کی بدبو باہر کے لوگ بھی محسوس کرتے ہیں۔ پھر جب حسد، کینے، خودغرضی، بدگمانی اور مادہ پرستی کے سانپ بھی اس بدن میں رینگنے لگیں تو اس اندرونی بدن کا کینسر پھیلنا شروع ہوجاتا ہے۔ یہ کینسر نظر نہیں آتا لیکن محسوس ضرور ہوتا ہے۔ اس کے بعد ہمارے اندر کا انسان مرجاتا ہے اور ہمارا وجود ایک جانور کی طرح کا ہوجاتا ہے۔ ایسا جانور جس کے کان ہوتے ہیں لیکن حق سن نہیں سکتے، آنکھیں ہوتی ہیں لیکن حقیقت دیکھنے کے قابل نہیں ہوتیں، دل ہوتے ہیں لیکن سوچنے کے قابل نہیں ہوتے۔

دوسری جانب اگر اندر کے انسان کو ایثار، قربانی، روحانیت اور خدا پرستی کی روحانی غذا فراہم کی جائے، اس کے چہرے پر لگی کالک کو روز احتساب کے عمل سے دھویا جائے، اس کی پیاس اچھے خیالات سے بجھائی جائے تو پھر اندر بہاریں آجاتی ہیں۔ پھر باہر کی ابتری کے باوجود اندر سکون ہوتا ہے، پھر شدید گرمی میں بھی اندر ٹھنڈ ہوتی ہے، پھر دولت نہ ہونے پر بھی انسان امیر ہوتا ہے۔ پھر انسان کے اس وجود پر رحمتوں کا سایہ ہوتا ہے، پھر فرشتے آکر اس نورانی وجود کو سلام کرتے ہیں۔

تو آیئے، اندر کے انسان سے ملتے ہیں۔ اپنے آپ سے ملتے ہیں، اس کے چہرے کو سنوارتے ہیں، اس کے بدن پر نیکیوں کا لباس ڈالتے ہیں، اس کی بھوک اچھائیوں سے مٹاتے ہیں اور اس کی پیاس اچھے احساسات سے بجھاتے ہیں۔

امید ہے، آپ کو یہ ملاقات اچھی لگی ہوگی۔

شفقت علی

بچے، تربیت اور سزا

جہاں بچوں کی تربیت کی بات ہو وہیں بچوں کو سزا دیں یا نہ دیں، اس بات کا سوال ضرور پیدا ہوتا ہے۔ اکثر والدین یہ سوال کرتے نظر آتے ہیں کہ بچے ہماری بات نہیں مانتے۔ ہم اُن کی رہنمائی کرنا چاہتے ہیں مگر وہ ہماری بات نہیں سنتے۔ بالآخر ہمیں اپنی بات منوانے کے لیے اُنہیں ڈانٹنا پڑتا ہے، جھڑکنا پڑتا ہے اور بعض اوقات تو جسمانی سزا بھی دینا پڑتی ہے۔ کیا ہمارا یہ رویہ درست ہے؟

اِس حوالے سے جو بات میں نے نوٹ کی ہے وہ یہ ہے کہ زیادہ تر والدین بچوں کو بطور عادت ڈانٹتے ہیں نہ کہ بطور تربیت۔ اسی طرح بچوں کو جسمانی سزا بھی اپنی کسی نفسیاتی اُلجھن کی بنا پر دے رہے ہوتے ہیں نہ کہ بچے کی تربیت کی نیت سے۔ مثلاً کسی کا غصہ بچوں پر اُتار دیا، کوئی کام خراب ہوگیا تو بچوں کو ڈانٹنا پیٹنا شروع کر دیا وغیرہ۔ یہ رویہ بچوں کے ساتھ سراسر زیادتی ہے، والدین کو اِس پہ نادم ہونا چاہیے اور فوراً یہ رویہ ترک کر دینا چاہیے۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ تربیتی عمل میں اگر بچے ہماری بات کو فالو (follow) نہیں کر رہے تو اِس کی اصل وجہ ہماری اپنی کمزوری ہے نہ کہ بچوں کی غلطی۔ سچ تو یہ ہے کہ ہمیں بچوں کی رہنمائی نہیں کرنی آتی اور نہ ہی ہم یہ سب سیکھنے کو تیار ہیں۔ اگر ہم بچوں کی رہنمائی کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں رہنما بننا ہوگا اور رہنمائی کا فن سیکھنا ہوگا۔ رہنمائی کے فن میں سب سے اہم کام ہیں: بچے کو سمجھنا، دوستانہ تعلق قائم کرنا اور مؤثر ابلاغ۔ اِن کی مزید تفصیل درج ذیل ہے:

بچے کو سمجھنا:

رہنمائی میں سب سے اہم کام ہے بچے کو سمجھنا، اُس کی نفسیات کو سمجھنا، اُس کے مزاج اور

پسند و ناپسند کو سمجھنا اور بچوں کے درمیان پائے جانے والے انفرادی اختلافات کو مدنظر رکھنا۔ بچے کو اُس کے لیول پر جا کر سمجھنے کی کوشش کریں کہ وہ آپ کی بات کو فالو کیوں نہیں کر رہا۔ کیا کہیں بچے کو کوئی نفسیاتی و جذباتی مسئلہ تو نہیں؟

بچے کے پاس چونکہ الفاظ کم ہوتے ہیں اس لیے وہ زیادہ تر اپنے افعال (actions) سے اپنے مسئلے کو بیان کرتا ہے۔ وہ ضد کرتا ہے یا ہماری بات کے اُلٹ عمل کرتا ہے۔ مگر ہم بجائے یہ کہ اُس کا مسئلہ سمجھیں غصے میں آ کر اُسے تھپڑ لگا دیتے ہیں۔ ہمارا یہ رویہ بچے کو مزید نفسیاتی و جذباتی مسائل میں مبتلا کر دیتا ہے۔ لہٰذا تحمل سے بچے کی کیفیات کو نوٹ کریں اور غور و فکر کریں کہ اصل مسئلہ کیا ہے۔ اس غور و فکر کرنے اور ٹھیک نتیجے تک پہنچنے میں ہو سکتا ہے کچھ دن لگ جائیں، لہٰذا تحمل سے یہ کام جاری رکھیں۔ کچھ دن بعد آپ بچے کے غلط رویے کے پیچھے محرکات (stimuli) اور وجوہات جان جائیں گے۔ بس اِن محرکات اور وجوہات کا ازالہ کیجیے۔

دوستانہ تعلق قائم کرنا:

دوستانہ تعلق قائم کرنے کا مطلب ہے کہ بچے اور آپ کے درمیان محبت اور اعتماد بھرا رشتہ ہو جسے بچہ بھی اچھے سے سمجھتا ہو۔ یہ تعلق قائم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ آپ اُسے اپنا کوالٹی ٹائم دینا شروع کر دیں۔ یعنی ایسا وقت جو چاہے مقدار میں تھوڑا ہو مگر خاص ہو۔ ایسا وقت جب آپ مکمل اُس کے لیے دستیاب ہوں اور آپ کا دل و دماغ اُسی کی طرف ہو۔ آپ اِس وقت میں اُس کے ساتھ مل کر کھیلیں، اُس کی باتیں سنیں، ٹی وی یا یوٹیوب پہ کوئی مفید چیز دیکھیں، مل کر گھر کا کوئی کام کرنا شروع کر دیں، اُسے ساتھ لیکر باہر گھومنے، سیر کرنے، شاپنگ کرنے یا کھانا کھانے کے لیے لے کر چلے جائیں وغیرہ۔

مؤثر گفتگو:

بچوں کی تربیت میں مؤ ثر گفتگو نہایت اہم ہے اور مؤ ثر گفتگو میں بچے کو سننا۔ بچے کی بات کو توجہ سے سنیں اور اُسے محسوس کروائیں کہ اُس کی بات قابلِ توجہ ہے۔ بچے کو موقع دیں کہ وہ اپنی بات یا مسئلہ کھل کر آپ سے بیان کر سکے۔ بچے سے گفتگو کرنے سے پہلے سوچیں کہ کونسے الفاظ استعمال کرنے ہیں۔ نیز یہ بھی دیکھیں کہ بچہ کس وقت آپ کی بات کو سننے اور سمجھنے کی پوزیشن میں ہے۔ بچے کو آسان فہم، بامعنی اور واضح الفاظ میں بات سمجھائیں۔ بات سمجھاتے ہوئے لہجہ دھیما اور آنکھوں کا رابطہ (eye contact) ضرور رکھیں۔ کوشش کریں کہ آپ اپنی بات سوالیہ انداز میں کریں تا کہ بچے کو سوچنے سمجھنے کا موقع ملے۔

اللہ تعالیٰ کی نصیحت

''اللہ تعالیٰ حکم دیتے ہیں:

عدل کا،

اور احسان کا،

اور قرابت داروں کو دیتے رہنے کا،

اور بے حیائی،

اور برائی،

اور سرکشی سے منع کرتے ہیں۔ وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تا کہ تم سبق لو۔

اور اللہ کے عہد کو پورا کرو جبکہ تم نے اس سے کوئی عہد باندھا ہو، اور اپنی قسمیں پختہ کرنے کے بعد توڑ نہ ڈالو جبکہ تم اللہ کو اپنے اوپر گواہ بنا چکے ہو۔ اللہ تمہارے سب افعال سے باخبر ہے۔'' (النحل 16:91-90)

محمد ثوبان

قانون سازی اور عقیدہ آخرت

گزشتہ دنوں لاہور موٹروے کے قریب ایک دل دہلا دینے والا واقعہ پیش آیا۔ انسانوں کے روپ میں ملبوس دو درندوں نے بنتِ حوا کی عزت کو تار تار کیا۔ جب اس واقعے کی اطلاع منظرِ عام پر آئی تو حکومتی سطح پر اقدامات اٹھائے گئے۔ ہر شخص نے گہرے غم و غصے کا اظہار کیا اور اس کے ساتھ ہی مجرموں کی سزا اور قانون سازی کے متعلق عوام الناس کی مختلف آراء بھی سامنے آئیں۔ مگر یہ سب اقدامات وقوعہ کے بعد اٹھائے جانے سے متعلق ہیں۔

پوری دنیا میں اِس طرح کے جرائم پر قانون سازی موجود ہے مگر پھر بھی جرائم کو روکنا ممکن نہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ترقی یافتہ ممالک بھی ان جرائم سے خالی نہیں ہیں حالانکہ وہاں کی قانون سازی کو بہت سراہا جاتا ہے۔ یعنی بعض اوقات خارج کی قانون سازی بھی اندر کے جانور کو قابو کرنے میں ناکام ہو جاتی ہے۔ پس ہمیں اِن تمام اخلاقی جرائم کی روک تھام کے لیے ایک ایسے محرک کی ضرورت ہے جو انسان کے اندر موجود ہو اور اُسے ہر غلط کام کرنے سے روک دے۔ بلا شبہ یہ محرک اللہ کے خوف اور عقیدہ آخرت کی صورت میں موجود ہے۔

ہمیں اپنے دل میں اللہ کا خوف اور آخرت کا شعور بیدار کرنا ہوگا اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت دینا ہوگی۔ جب ہر شخص کے دل میں اللہ کے خوف اور قیامت کے دن جوابدہی کا احساس ہوگا تو اس کے نتیجے میں انسان ہر وقت اپنے آپ کو اللہ کی عدالت میں کھڑا ہوا پائے گا۔ ہر انسان خود اپنے اوپر خدا کا قانون نافذ کر لے گا۔ جب کبھی گناہ کا احساس بھی آئے گا تو ایمانی قوت فی الفور انسانی خواہشاتِ نفس اور شہوت کے جذبات کو ٹھنڈا کر دے گی۔

انسان کے پاس فقط یہ ہی ایک محرک ہے جو تمام اخلاقی جرائم کا خاتمہ کر سکتا ہے۔ خارج میں کوئی قانون نہ بھی ہو تو ہر شہری اس قانون پر اپنے تئیں عمل پیرا ہو سکتا ہے۔ ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ ہم میں سے ہر شخص اس خدائی قانون کو اپنے اوپر لاگو کرنے کو تیار ہو۔

ابو یحییٰ

مضامین قرآن (74)

اخلاقی طور پر مطلوب و غیر مطلوب رویے: بخل اور اسراف

اللہ کی رضا کے لیے اپنے مال کو خرچ کرنا شریعت کا ایک قانون ہے جس میں انسان اپنے مال کا ایک متعین حصہ اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے۔ تاہم زندگی میں بندوں کی ضرورتیں اور نصرت دین کے مواقع بار بار سامنے آتے رہتے ہیں۔ اس لیے انفاق فی سبیل اللہ محض ایک شرعی حکم ہی نہیں بلکہ ایک اخلاقی مطالبہ بھی ہے جو قرآن مجید میں بکثرت دہرایا گیا ہے۔ اس اخلاقی تقاضے اور شرعی حکم کی ادائیگی سے جو چیز سب سے بڑھ کر انسانوں کو روکتی ہے وہ انسانوں کی طبیعت میں پائی جانے والی مال کی محبت اور بخل، اسے جمع کرنے اور بڑھانے کی حرص اور اسے بے ضرورت چیزوں پر لٹانے اور فضول خرچی کا رویہ ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں جہاں انفاق پر کثرت سے زور دیا گیا ہے وہیں، ان تمام رویوں کی شناعت واضح کی گئی ہے اور درست راستہ کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ ذیل میں ان رویوں کا تفصیلی جائزہ قرآن مجید کی روشنی میں لیا جا رہا ہے

بخل اور کنجوسی

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی جبلت میں اپنے تحفظ کا جذبہ رکھا ہے۔ عملی دنیا میں یہ تحفظ سب سے بڑھ کر انسان کو مال کے ذریعے سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ مال کی موجودگی ہے جو انسان کے اندر یہ اعتماد پیدا کرتی ہے کہ اس کی بقا کے لیے جس چیز کی ضرورت ہوگی، انسان اس کو حاصل کرلے گا۔ قرآن مجید نے اس حقیقت کو وَاُحۡضِرَتِ الۡاَنۡفُسُ الشُّحَّ (شحّ لوگوں کی سرشت میں ہے) کے الفاظ سے بیان کیا ہے۔ ''شحّ'' کا مفہوم بخل بھی ہے اور حرص بھی۔ یہ وہ چیز ہے جو

انسانوں کو خود غرضی اور تنگ دلی پر آمادہ کرتی ہے۔ اس رویے کو اختیار کرنے کے بعد انسان ایک طرف ادائے حقوق سے غافل ہوتا ہے اور دوسری طرف اپنی ذات سے ہٹ کر دوسروں کی بنیادی ضروریات کو دیکھنے سے بھی عاجز ہو جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید نے انسانوں کو یہ توجہ دلائی ہے کہ جو شخص اپنی اس جبلت پر قابو پا گیا اور ایثار کا راستہ اختیار کیا وہ آخرت کی فلاح پائے گا۔

اپنے تحفظ کے لیے مال کو جمع کرنے کا جذبہ جب بخل کی شکل اختیار کرتا ہے تو پھر یہ ایک نا قابل علاج اخلاقی مرض بن جاتا ہے۔ اس مرض کا ظہور انسانی شخصیت میں عجیب وغریب طریقوں سے ہوتا ہے۔ مثلاً یہ کہ ایسا شخص مال کی شکل میں ملی ہوئی نعمت کو اپنے اوپر بھی خرچ نہیں کرتا کہ مبادا دوسروں کو یہ احساس ہو جائے کہ اس شخص کے پاس مال ہے اور کسی ضرورت کے موقع پر اس سے اللہ کی راہ میں خرچ کا مطالبہ کرنے کی نوبت آ جائے۔ ایسا شخص اپنی نعمتوں کو چھپاتا ہے اور ہر جگہ اپنے مسائل، پریشانیوں اور اخراجات کا تذکرہ کرتا رہتا ہے۔ اس کی ایک مروجہ شکل یہ ہے کہ کاروباری منافع میں کمی کو نقصان سے تعبیر کر کے بیان کیا جاتا ہے۔ اس طرح کے رویے سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ نہ اس شخص سے انفاق کا مطالبہ کیا جائے اور نہ اس کے بخل پر اسے ملامت کی جائے۔

ایسے مالداروں کی اصل ذمہ داری تو یہ ہوتی ہے کہ وہ خود بھی ضرورت مندوں پر مال خرچ کریں اور دوسروں کو بھی اس کارِ خیر پر ابھاریں، مگر اول تو وہ ہر ایسے موقع پر پیٹھ پھیر جاتے ہیں، اس سے بڑھ کر یہ لوگ الٹا دوسروں کو بخل کی تلقین کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اگر دوسرے خرچ کریں گے تو مجبوراً کچھ نہ کچھ انھیں بھی خرچ کرنا پڑے گا۔ اور اگر خرچ کرنے کی نوبت آ ہی جائے تو اس کا اصل مقصد ریا کاری یا دکھاوا اور لوگوں کو جتانا ہوتا ہے کہ وہ کتنے سخی اور دوسروں کا خیال کرنے والے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ اس طرح کے لوگ پستی کی آخری سطح پر اتر کر نہ

صرف ضرورت مندوں کا مذاق اڑانا شروع ہوجاتے ہیں بلکہ انفاق کے مطالبے پر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وہ گستاخانہ کلمات کہتے ہیں جس کی ایک مثال قرآن مجید نے منافقین کے اس قول کی شکل میں بیان کی ہے کہ (قرض کا مطالبہ کرکے) اللہ محتاج ہوگیا ہے اور ہم غنی ہیں کہ ہم سے قرض کا مطالبہ کیا جارہا ہے یا یہ کہ کیا ہم ان کو کھلائیں جن کو اللہ چاہتا تو خود کھلا دیتا۔

قرآن مجید نے بخل کے اس رویے کی سخت مذمت کی ہے۔اس رویے کو شیطان کے ساتھیوں کا رویہ قرار دیا ہے۔ یہ بتایا ہے کہ اس طرح بخل کرنے والوں کا مال طوق بنا کر یوم قیامت ان کے گلے میں ڈال دیا جائے گا۔ یہ بھی سمجھایا گیا ہے کہ جو شخص بخل کرتا ہے وہ دراصل اپنے ساتھ ہی بخل کرتا ہے۔یعنی جو مال وہ آج خرچ کرنے سے رک رہا ہے، یہی وہ مال ہے جو کل قیامت اسے ملنا تھا۔آج اس مال کو نہ دینے کا مطلب یہ ہے کہ انسان قیامت کے دن خود اپنے آپ کو محروم کرلے گا۔

اسراف اور تبذیر

اللہ کی راہ اور بندوں کی ضرورتوں میں مال خرچ کرنے سے انسانوں کو روکنے والی دوسری چیز فضول خرچی ہے۔ یہ بظاہر بخل کے برعکس رویہ ہے، مگر اپنی روح کے لحاظ سے اس میں اور بخل میں کوئی فرق نہیں۔بخل مال کو سینت کررکھنے کا نام ہے اور اسراف اس مال کو سونے، چاندی اور کرنسی نوٹوں کے بجائے اشیا کے ڈھیر کی صورت میں اپنے پاس جمع کرلینے کا نام ہے۔پہلی چیز بھی انسان کے اندر یہ حوصلہ نہیں پیدا ہونے دیتی کہ وہ اپنا مال دوسروں پر خرچ کرے اور یہ دوسری چیز انسان کے پاس اتنا مال ہی نہیں چھوڑتی کہ وہ دوسروں کے حقوق کی ادائیگی کرسکے۔

چنانچہ قرآن مجید نے ایک طرف انفاق کا حکم دیتے ہوئے خاص طور پر اسراف سے بچنے کا حکم دیا ہے۔ دوسری طرف اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے خرچ کرتے وقت بھی اعتدال

اور توازن کی طرف توجہ دلائی ہے۔ جس طرح بخل کرنے والوں کو شیطان کا ساتھی قرار دیا گیا تھا، فضول خرچی کرنے والوں کو شیطان کے بھائی قرار دیا گیا ہے۔ اس مماثلت سے یہ بات سمجھی جا سکتی ہے کہ انسان بخل کرے یا اسراف ہر دو شکل میں وہ شیطان کے مقاصد کی تکمیل کرتا ہے۔

یہاں یہ بات بھی آخر میں سمجھنا ضروری ہے کہ بخل ادائے حقوق کے موقع پر خرچ سے بچنے کا نام ہے، اپنی ذات پر احتیاط سے خرچ کرنا، بخل نہیں۔ اسی طرح اسراف پیسے کے بے جا خرچ کا نام ہے۔ ضرورت، ذوق، سہولت اور خواہشات کی تکمیل کے لیے حدود الٰہی کے اندر رہ کر خرچ کرنا اسراف نہیں۔ اللہ عطا کرے تو انسان قیمتی لباس، عالیشان گھر اور بہترین گاڑی رکھ سکتا ہے۔ یہ اسراف نہیں ہے۔ اسراف تب ہوتا ہے جب ضرورت، ذوق اور سہولت کے بجائے پیش نظر صرف اشیا کے ڈھیر جمع کرنا ہو یا۔ بخل و اسراف دونوں میں انسانوں کا سماجی پس منظر، مالی حیثیت، ذوق و عادت دیکھا جاتا ہے۔ ان معاملات میں اپنے اوپر سب سے اچھی نظر خود انسان رکھ سکتا ہے۔ اسے یہ یاد رہنا چاہیے کہ اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے اور مال اس دنیا میں اللہ کی ایک نعمت ہے جس سے دنیا کا حصول ممنوع نہیں، لیکن آخرت فراموشی کا عمل بھی اپنی قبر آپ کھودنے کے مترادف ہے۔

قرآنی بیانات

”ہاں، اگر کسی عورت کو اپنے شوہر سے بے زاری یا بے پروائی کا اندیشہ ہو تو اُن پر گناہ نہیں کہ دونوں آپس میں کوئی سمجھوتا کر لیں۔ اِس لیے کہ سمجھوتا بہتر ہے۔ اور (یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ) حرص لوگوں کی سرشت میں ہے، لیکن حسن سلوک سے پیش آؤ گے اور تقویٰ اختیار کرو گے تو صلہ پاؤ گے، اِس لیے کہ جو کچھ تم کرو گے، اللہ اُسے جانتا ہے۔“ (النساء 4:128)

”اور اگر وہ اِن کو تم سے مانگ لے اور سب کچھ سمیٹ کر مانگ لے تو (معلوم ہے کہ) تم بخیلی کرو گے (اور صاف انکار کر دو گے) اور اِس سے وہ تمھارے (دلوں میں چھپے ہوئے)

کینوں کو ظاہر کر دے گا۔

سنو، تم وہ لوگ ہو کہ تم کو (تمھارے مال کا کچھ حصہ) خدا کی راہ میں خرچ کرنے کی دعوت دی جاتی ہے تو تم میں ایسے بھی ہیں جو (اُس میں بھی) بخیلی کرتے ہیں۔ (یاد رکھو)، جو بخیلی کرتا ہے تو حقیقت میں اپنے ہی ساتھ بخیلی کرتا ہے۔ اللہ تو (ہر چیز سے) بے نیاز ہے اور تم اُس کے محتاج ہو۔ (تم خدا سے روگردانی کرنا چاہتے ہو تو جاؤ، کرو)۔ اگر تم روگردانی کرو گے تو اللہ تمھاری جگہ دوسرے لوگوں کو لے آئے گا، پھر وہ تمھاری طرح نہ ہوں گے۔''، (محمد 47:38-37)

''(اِن منافقوں کے برخلاف) جو لوگ اِس دیار کو اِن سے پہلے ٹھکانا بنائے ہوئے اور اپنا ایمان محکم کیے ہوئے ہیں، وہ اُن لوگوں سے محبت رکھتے ہیں جو (اُن کے بعد اب) ہجرت کر کے اُن کی طرف آ رہے ہیں اور جو کچھ اِن مہاجروں کو دیا جا رہا ہے، اُس سے اپنے دلوں میں کوئی خلش محسوس نہیں کرتے اور اُنھیں اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں، خواہ اپنی جگہ خود ضرورت مند ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو خود غرضی سے بچا لیے جائیں، وہی فلاح پانے والے ہیں۔''، (الحشر 59:9)

''اور (اِن میں سے) جو لوگ اُن چیزوں میں بخل کرتے ہیں جو اللہ ہی نے اپنے فضل سے اُنھیں عطا فرمائی ہیں، وہ ہرگز یہ خیال نہ کریں کہ یہ اُن کے لیے بہتر ہے۔ نہیں، یہ اُن کے حق میں بہت برا ہے۔ (اُنھیں معلوم ہونا چاہیے کہ) جس چیز پر اُنھوں نے بخل کیا ہے، قیامت کے دن عنقریب اُس کا طوق اُنھیں پہنایا جائے گا اور (معلوم ہونا چاہیے کہ) زمین اور آسمانوں کی میراث اللہ ہی کے لیے ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اُسے جانتا ہے۔

اللہ نے اُن لوگوں کی بات سن لی ہے جنھوں نے کہا ہے کہ اللہ محتاج ہے اور ہم غنی ہیں۔ اِن کی یہ باتیں ہم لکھ رکھیں گے اور اِن کا پیغمبروں کو ناحق قتل کرنا بھی ہم نے لکھ رکھا ہے۔ اور (فیصلے کے دن) اِن سے کہیں گے کہ اب چکھو آگ کا عذاب۔''، (آل عمران 3:181-180)

''اور جب اِن سے کہا جاتا ہے کہ جو رزق خدا نے تمھیں بخشا ہے، اُس میں سے (اُس کی راہ میں) خرچ کرو تو یہ لوگ جنھوں نے (پیغمبر کا) انکار کر دیا ہے، ماننے والوں سے کہتے ہیں کہ

کیا ہم اُن لوگوں کو کھلائیں جنھیں اگر اللہ چاہتا تو خود کھلا دیتا؟ تم لوگ تو صریح گم راہی میں پڑے ہو۔‘‘، (یٰس 47:36)

’’(اِن کے ٹھیرائے ہوئے شریک نہیں، بلکہ) وہی اللہ ہے جس نے قسم قسم کے باغ پیدا کیے ہیں، (اِن میں سے) کچھ ٹٹیوں پر چڑھائے جاتے ہیں اور کچھ نہیں چڑھائے جاتے۔ اِسی طرح کھجور پیدا کی اور کھیتیاں اگائی ہیں جن کے طرح طرح کے پھل ہیں اور زیتون اور انار جو ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی ہیں اور الگ الگ بھی اِن کی پیداوار میں سے کھاو، جب یہ پھلیں اور اِن کا حق ادا کرو، جس دن یہ کاٹے جائیں اور بے جا نہ اڑاو۔ اللہ (اِس طرح) اڑا دینے والوں کو پسند نہیں کرتا۔‘‘، (الانعام 141:6)

’’آدم کے بیٹو، ہر مسجد کی حاضری کے وقت اپنی زینت کے ساتھ آؤ، اور کھاؤ پیو، مگر حد سے آگے نہ بڑھو۔ اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔‘‘، (الاعراف 31:7)

’’جو خود بھی بخل کرتے اور دوسروں کو بھی اِسی کا مشورہ دیتے ہیں اور اللہ نے اپنے فضل میں سے جو کچھ اُنھیں دیا ہے، اُسے چھپاتے ہیں۔ ایسے ناشکروں کے لیے ہم نے ذلیل کر دینے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

جو اپنے مال لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتے ہیں اور نہ اللہ کو مانتے ہیں اور نہ قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں۔ (اُن کا ساتھی شیطان ہے) اور حقیقت یہ ہے کہ جس کا ساتھی شیطان بن جائے تو وہ بہت ہی برا ساتھی ہے۔‘‘، (النساء 38:4-37)

’’تم قرابت دار کو اُس کا حق دو اور مسکین اور مسافر کو بھی، اور مال کو بے جا نہ اڑاؤ۔

اِس لیے کہ مال کو بے جا اڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہوتے ہیں اور شیطان اپنے رب کا بڑا ہی ناشکرا ہے۔‘‘، (بنی اسرائیل 27:17-26)

’’اور (وہ ہیں) جو خرچ کرتے ہیں تو نہ اڑاتے ہیں، نہ تنگی کرتے ہیں، اُن کا خرچ اِس کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے۔‘‘، (فرقان 67:25)

عامر گزدر

اسلامی شریعت میں رفع حرج اور آسانی (5)

خطرے کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نماز اور قرآنی رخصتیں

قصر نماز کی رخصت کے متصل بعد، نماز ہی کے حوالے سے اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی مشکل کا حل بیان فرمایا ہے جس کا تعلق خاص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی اور آپ کی اقتدا میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے نماز پڑھنے سے تھا۔

اِس کی تفصیل یہ ہے کہ سفر میں خطرے کی ایسی حالت میں نماز کا وقت ہو جائے کہ رسول اللہصلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ میدان جنگ میں ہوں تو ایسی غیر معمولی صورت حال میں یہ مسئلہ تھا کہ نماز کی جماعت کھڑی کی جائے اور رسالت مآب امامت کرائیں تو آپ کا کوئی صحابی اُس جماعت کی شرکت سے محروم رہنے پر راضی نہیں ہو سکتا تھا۔ ایسی نازک صورت حال میں اللہ کے حضور اُس کے رسول کی اقتدا میں حاضری کے شرف سے، ظاہر ہے کہ کوئی شخص محروم رہنا نہیں چاہے گا۔ آپ کی معیت میں ہر سپاہی کی یہ آرزو ہوتی کہ وہ آپ ہی کی اقتدا میں نماز ادا کرے۔ یہ ظاہر ہے کہ ایک فطری خواہش تھی، لیکن اِس کے ساتھ دفاع کا اہتمام بھی ضروری تھا۔

چنانچہ قرآن مجید نے اِس صورت حال کے لیے بالخصوص یہ تدبیر بتائی کہ اہل لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ امام اور مقتدی، دونوں قصر نماز پڑھیں اور دونوں گروہ یکے بعد دیگرے آپ کے ساتھ آدھی نماز میں شامل ہوں اور آدھی نماز اپنے طور پر ادا کر لیں۔ چنانچہ ایک گروہ پہلی رکعت کے سجدوں کے بعد پیچھے ہٹ کر حفاظت و نگرانی کا کام سنبھالے اور دوسرا گروہ، جس نے نماز نہیں پڑھی ہے، آپ کے پیچھے آ کر دوسری رکعت میں شامل ہو جائے۔ ارشاد فرمایا کہ:

وَإِذَا كُنتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ مِّنْهُم مَّعَكَ وَلْيَأْخُذُوا أَسْلِحَتَهُمْ فَإِذَا سَجَدُوا فَلْيَكُونُوا مِن وَرَائِكُمْ وَلْتَأْتِ طَائِفَةٌ أُخْرَىٰ لَمْ يُصَلُّوا فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ وَدَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُم مَّيْلَةً وَاحِدَةً وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِن كَانَ بِكُمْ أَذًى مِّن مَّطَرٍ أَوْ كُنتُم مَّرْضَىٰ أَن

تَضَعُوا أَسْلِحَتَكُمْ وَخُذُوا حِذْرَكُمْ إِنَّ اللَّـهَ أَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا

''اور (اے پیغمبر)، جب تم اِن کے درمیان ہو اور (خطرے کی جگہوں پر) اِنھیں نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہو تو چاہیے کہ اُن میں سے ایک گروہ تمھارے ساتھ کھڑا ہو اور اپنا اسلحہ لیے رہے۔ پھر جب وہ سجدہ کر چکیں تو تمھارے پیچھے ہو جائیں اور دوسرا گروہ آئے، جس نے ابھی نماز نہیں پڑھی ہے اور تمھارے ساتھ نماز ادا کرے۔ وہ بھی اپنی حفاظت کا سامان اور ضروری اسلحہ لیے ہوئے ہوں۔ یہ منکر تو چاہتے ہیں کہ تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے سامان سے ذرا غافل ہو تو تم پر یک بارگی ٹوٹ پڑیں۔ اِس میں، البتہ کوئی حرج نہیں کہ اگر بارش کی تکلیف محسوس کرو یا بیمار ہو تو اپنا اسلحہ اتار دو۔ ہاں، یہ ضروری ہے کہ حفاظت کا سامان لیے رہو۔ تم یقین رکھو کہ اللہ نے اِن منکروں کے لیے بڑی ذلت کی سزا تیار کر رکھی ہے''، (النساء4:102)

یہ بات کہ اِس تدبیر کا تعلق خاص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی سے تھا، آیت کے آغاز میں وَإِذَا كُنتَ فِيهِمْ (اور جب تم اُن کے درمیان ہو) کے الفاظ سے صاف واضح ہے۔ ظاہر ہے کہ آپ کے بعد مسلمانوں میں کسی ایک ہی امام کی اقتدا کی خواہش نہ اتنی شدید ہو سکتی ہے اور نہ اِس طرح کی آرزو کو اتنی اہمیت حاصل ہو سکتی ہے جو اِس طرح کی باجماعت نماز کی متقاضی ہو۔ چنانچہ آپ کے بعد خطرے کے کسی بھی موقع پر قیام جماعت کا موقع ہو تو لوگ اب الگ الگ اماموں کی اقتدا میں نہایت آسانی کے ساتھ نماز ادا کر سکتے ہیں۔

نبی کی موجودگی کے ساتھ خاص اِس قرآنی حکم کو ہم یہاں اِس لیے زیر بحث لائے ہیں کہ اِس میں رفع حرج اور آسانی کی بنا پر دی گئی رخصتوں پر غور کیا جائے کہ خطرے کی ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ نے عام حالات کے برخلاف کہ نماز کو قصر کرنے کے علاوہ اُس میں نقل و حرکت اور سازوسامان کو اُٹھائے رکھنے کی اجازت تک عنایت فرما دی ہے۔ جب کہ یہ معلوم ہے کہ نماز کے اعمال میں اللہ تعالیٰ کو بندوں سے اصلاً قنوت مطلوب ہے۔ ارشاد فرمایا ہے: وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ (اور اللہ کے حضور میں نہایت ادب کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ)۔ اِسی طرح دیکھیے کہ اِس حکم میں ہر گروہ کے لیے آدھی نماز نبی کی اقتدا میں پڑھنے کے بعد باقی آدھی خود سے پڑھنے کو بھی روا رکھا گیا ہے۔ چنانچہ صلاۃ الخوف کی اِس قرآنی ہدایت سے ثابت ہوا کہ اسلامی شریعت کے احکام

میں مسلمانوں کے لیے کوئی عسرت اور زحمت نہیں رکھی گئی ہے، بلکہ انسانی حالات کی رعایت سے اِس میں نہایت آسانی دی گئی ہے۔

حالت خوف میں پیدل یا سواری پر نماز پڑھنے کی رخصت

خطرے کی حالت اگر اِس درجے کی ہو کہ معمول کے طریقے پر نماز پڑھنا ممکن نہ رہے تو اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرۃ کی آیت 239 میں مزید رخصت عنایت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ: فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا فَإِذَا أَمِنتُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ پھر اگر خطرے کا موقع ہو تو پیدل یا سواری پر، جس طرح چاہے (نماز) پڑھ لو۔ لیکن جب امن ہو جائے تو اللہ کو اُسی طریقے سے یاد کرو، جو اُس نے تمھیں سکھایا ہے، جسے تم نہیں جانتے تھے۔

اِس آیت سے جس طرح نماز کی اہمیت واضح ہوتی ہے کہ خطرات میں بھی کوئی مسلمان اُسے نظر انداز نہیں کر سکتا، اِسی طرح اِس میں یہ بات بھی بصراحت بیان ہو گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے احکام شریعت میں اِس قدر آسانی اور سہولت اور اُن احوال کی اِس درجے میں رعایت رکھی ہے کہ نماز کا وقت خطرے کی حالت میں آجائے اور اُنھیں کہیں اطمینان سے نماز پڑھنے کا موقع بھی میسر نہ ہو تو پیدل چلتے ہوئے یا سواری پر، جس طرح ممکن ہو، وہ نماز پڑھ سکتے ہیں۔ اِس میں بھی کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

اِس رخصت کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ نماز کے اعمال میں نہ صرف یہ کہ قنوت کی مذکورہ بالا صفت مجروح ہوتی ہے، بلکہ نماز کے مطلوب آداب، لازمی اعمال، اور شریعت میں اُن کی مقرر کردہ ہیئت بھی مجروح ہو جاتی ہے۔ اِسی طرح اِس کے نتیجے میں جماعت کا اہتمام بھی، ظاہر ہے کہ ممکن نہیں رہتا۔ چنانچہ غور کیجیے کہ نماز جیسی غیر معمولی عبادت اور اُس کی مشروع ہیئت میں اِس سب کچھ کو اللہ تعالیٰ نے گوارا فرمایا اور اپنے بندوں کے لیے آسانی اور رفع حرج کو ترجیح دی ہے۔

نماز کو چلتے ہوئے یا سواری پر پڑھ لینے کی یہ رخصت بھی اگرچہ اِنْ خِفْتُمْ (اگر تمھیں اندیشہ ہو) کی شرط کے ساتھ بیان ہوئی ہے، لیکن روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی نے قافلے کو رکنے کی زحمت سے بچانے کے لیے نفل نمازیں بھی سواری پر بیٹھے ہوئے پڑھ لی ہیں۔ (بخاری، رقم 1104)

نماز کے باب میں اوپر بیان کی گئی قرآنی رخصتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ سفر میں خطرے کی حالت ہوتو نماز کو قصر کیا جاسکتا ہے، بلکہ بعض نمازوں کو ایک وقت میں جمع بھی کیا جاسکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اِن رخصتوں سے مسلمان اپنے عام سفروں میں بھی فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ حالتِ جنگ میں رسول اللہ کی اقتدا میں نماز کا موقع ہوتو اُس میں آپ کے صحابہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مزید کچھ رعایتیں دی گئی تھیں۔ چوتھے یہ کہ سفر میں خطرے کی حالت انتہائی سنگین ہوتو نماز پیدل چلتے ہوئے یا سواری پر بیٹھے ہوئے بھی پڑھی جاسکتی ہے۔

بیمار کے لیے نماز میں رعایت

نماز میں قیام، رکوع، قومہ، سجود اور قعدہ؛ عام حالات میں یہ سب نماز کے لازمی اعمال میں سے ہیں۔ تاہم آدمی بیمار ہو اور قیام کرنا اُس کے لیے باعثِ مشقت ہوتو رسول اللہ نے یہ رخصت دی ہے کہ وہ بیٹھ کر نماز پڑھ لے اور اگر بیٹھ کر نماز پڑھنا بھی اُس کے لیے باعثِ زحمت ہوتو آپ نے مزید رعایت دی ہے کہ آدمی پہلو کے بل لیٹ کر بھی نماز پڑھ سکتا ہے (صحیح بخاری، 1117)۔

بیمار کو یہ رعایتیں بھی، ظاہر ہے کہ رسول اللہ نے قرآن مجید کے رفع حرج اور آسانی دینے کے اصول ہی پر دی ہیں اور اِن میں بھی دیکھ لیجیے کہ صرف بیماری کی مشقت کی وجہ سے یہ گوارا کر لیا گیا ہے کہ آدمی نماز کے لازمی ارکان تک کو بے شک ترک کردے۔ اِس میں اُس کے لیے کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

دقت نظر سے دیکھیے کہ بیمار شخص کو قیام سے رخصت دینے کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ قیام کے علاوہ اُس کو نماز کے دوسرے لازمی ارکان، یعنی رکوع اور قومہ کو بھی اصل مشروع صورت میں بجالانے سے مستثنیٰ قرار دے دیا گیا ہے۔ اِسی طرح مریض جب پہلو کے بل لیٹ کر نماز پڑھے گا تو اِس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اُس کو قعدے اور سجود سے بھی رخصت دے دی گئی ہے۔

[جاری ہے]

مبشر نذیر

ترکی کا سفر نامہ (76)

تھوڑی دیر میں ہم ایئر پورٹ جا پہنچے۔ بورڈنگ پاس اور امیگریشن کے مراحل سے گزر کر ہم لاؤنج میں جا بیٹھے۔ جہاز ٹھیک وقت پر روانہ ہوا۔ جہاز میں زیادہ تر ترک ہی تھے جو عمرے کی ادائیگی کے لیے سعودی عرب جا رہے تھے۔ تین گھنٹے کی پرواز کے بعد ہم اہل محبت کے خوابوں کی سرزمین یعنی مدینہ منورہ کے ایئر پورٹ پر جا اترے۔ یہ ایئر پورٹ مدینہ منورہ سے مشرقی جانب قصیم اور ریاض جانے والی موٹر وے پر واقع ہے۔

مدینہ منورہ کی خصوصی اہمیت کے پیش نظر موجودہ حکومت نے حرم مدنی کے مشرقی حصے میں ''نالج اکنامک سٹی'' کا منصوبہ شروع کیا ہے۔ اس منصوبے کے مطابق یہاں ایک جدید شہر بسایا جائے گا جس میں دنیا بھر سے اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات کو یہاں لا کر آباد کیا جائے گا۔ اس مقصد کے لیے یہاں ایسی انڈسٹری کو فروغ دیا جائے گا جس میں اعلیٰ درجے کی فنی مہارت کی ضرورت ہو گی۔ میڈیکل، انجینئرنگ، آئی ٹی، کامرس غرض ہر شعبے کے ممتاز ماہرین کو یہاں لا کر آباد کیا جائے گا۔ اس طریقے سے مدینہ منورہ، جو کبھی مسلمانوں کے اعلیٰ ترین دماغوں کا مرکز ہوا کرتا تھا، ایک مرتبہ پھر عالم اسلام کا علمی مرکز بن جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس خواب کو پورا کرے۔

زیادہ تر زائرین مدینہ ہی اتر گئے تھے۔ اب جہاز خالی تھا۔ آدھے گھنٹے بعد اس نے پھر پرواز شروع کی۔ اس مرتبہ جہاز نے پورے مدینہ کے گرد چکر لگایا۔ میری کھڑکی شہر کی جانب تھی۔ فضا سے مدینہ منورہ کو دیکھنے کا لطف ہی کچھ اور تھا۔ اس وقت اندھیرا چھا رہا تھا اور شہر کی لائٹس آن کر دی گئی تھیں۔ شہر کے بیچوں بیچ چمکتے سفید رنگ کی مسجد نبوی اپنی بہاریں دکھا رہی تھی۔ شہر کے چاروں طرف گول رنگ روڈ نے احاطہ کیا ہوا تھا۔

تقریباً بیس منٹ کی فلائٹ کے بعد ہم جدہ ایئر پورٹ پر جا اترے اور مسلمانوں کی تاریخ میں یہ سفر اپنے اختتام کو پہنچا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اس سفر سے حاصل کردہ تجربات سے سبق سیکھنے اور ان سے اپنی زندگی کو بہتر بنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ [ختم شد]

پروین سلطانہ حنا

ماں کی فریاد

میرے بچے! کہاں گئے ہو تم
ڈھونڈتی ہوں تمہیں سرابوں میں
یہ جو آنکھیں ترس رہی ہیں میری
دیکھنے کو تمہارے چہرے کو
موتیوں کی طرح برس رہی ہیں میری
میں پرو کر دعا کی مالا میں
پھول ٹانکوں تمہارے سہرے میں
وہی رخسار، لب، وہی آنکھیں
ڈھونڈتی ہوں ہر ایک چہرے میں
کاش ایسا کبھی تو ہو جائے
تم میرے پاس آؤ خوابوں میں
میں یہ آنکھیں بچھاؤں راہوں میں
دیر تک تم کو لے کے بانہوں میں
کبھی خود سے تمہیں جدا نہ کروں
یہ میرا خواب گم نہ ہو جائے
یا مجھے گہری نیند آ جائے

بیٹے کا جواب

میری ماں!

اے بہت ہی پیاری ماں

کتنی پرنور ساعتیں تھیں وہ

تو نے جب مجھ کو رب سے مانگا تھا

اس نے جھولی میں تیری ڈالا تھا

میرے ماتھے کو تو نے چوما تھا

کتنی مسرور ہو گئی تھی تو

اب بہت دور آ گیا ہوں میں

تیری دنیا میں آ نہیں سکتا

تیری آہیں فلک تک آتی ہیں

روشنی کو میری بجھاتی ہیں

میری ماں! تم اداس مت ہونا

میں اسی ذات کی امانت تھا

اس لیے اس سے آ ملا ہوں میں

ہاں مگر تجھ سے کب جدا ہوں میں

وہ دعائیں تیری جو آتی ہیں

روشنی کو میری بڑھاتی ہیں

اب میں روشن فلک کا تارا ہوں

اور خوشبو کا استعارا ہوں

میں اسی رب کی نعمتوں میں ہوں

ماں سے ستر گنا جو چاہتا ہے

صبر کو وہ بہت سراہتا ہے

اس لیے تم اداس مت ہونا

اب میرے ہجر میں نہیں رونا

یہ جدائی بہت ہی تھوڑی ہے

ہاں بہت جلد ہم بہم ہوں گے

ماں بہت جلد ہم بہم ہوں گے

پھر کبھی بھی جدا نہ ہم ہوں گے

ابو یحییٰ کے ناول

جو آپ کی سوچ، زندگی اور عمل کا محور بدل دیں گے

جب زندگی شروع ہوگی

ایک تحریر جو ہدایت کی عالمی تحریک بن چکی ہے

قسم اس وقت کی

ایک منکرِ خدا لڑکی کی داستان سفر، جو سچ کی تلاش میں نکلی تھی

آخری جنگ

شیطان کے خلاف انسان کا اعلان جنگ

خدا بول رہا ہے

عظمتِ قرآن کا بیان ایک دلچسپ داستان کی شکل میں

Please visit this link to read the articles and books of Abu Yahya

online for free.

www.inzaar.org

To get Abu Yahya Quotes Join us on twitter:

Twitter ID: @AbuYahya_inzaar

To read Abu Yahya articles regularly Join us on Facebook

Abu Yahya Page: www.facebook.com/abuyahya.inzaar

Abu Yahya Account: www.facebook.com/abuyahya.jzsh

Join us on Youtube

Search inzaar on YouTube to see our audios and lectures

To get monthly books, CDs/USB and Inzaar's monthly magazines

at home anywhere in Paksitan, contact # 0332-3051201 or

0345-8206011

To participate in online courses, visit

www.inzaar.org/online-courses/

To get any other information, email to globalinzaar1@gmail.com

Following material in audio form is available on USB/CD:

Quran Course by Abu Yahya

Quran Translation and Summary by Abu Yahya

Islahi Articles

Jab Zindagi Shuru Hogi (book)

Qasam Us Waqt Ki (book)

Aakhri Jang (book)

ماہنامہ
اِنذار

فون: 0332-3051201 , 0312-2099389

ای میل: globalinzaar@gmail.com

web: www.inzaar.org

ایک دعوتی واصلاحی رسالہ ہے۔ اس کا مقصد لوگوں میں ایمان واخلاق کی دعوت کو عام کرنا ہے۔ اس دعوت کو دوسروں تک پھیلانے میں ہمارا ساتھ دیجیے۔ یہ رسالہ خود بھی پڑھیے اور دوسروں کو بھی پڑھوائیے۔ اپنے کسی عزیز، دوست، ساتھی یا رشتہ دار کے نام سال بھر رسالہ جاری کروانے کیلئے:

فی کاپی سالانہ سبسکرپشن چارجز: 900 روپے (کراچی رجسٹرڈ پوسٹ)، 600 روپے (بیرون کراچی نارمل پوسٹ) اور VP کی صورت میں ڈاک خرچ 150 روپے سالانہ۔ ایجنسی ڈسکاؤنٹ 20 فیصد ہے۔ ایجنسی ڈسکاؤنٹ کے لیے کم از کم ہر ماہ پانچ رسالے لینا ضروری ہے۔

سبسکرپشن چارجز مندرجہ ذیل پر ارسال کریں	
Easy Paisa	Muhammad Shafiq 0334-3799503 CNIC # 42201-8355292-9
Money Order	Monthly Inzaar 4th Floor Snowhite Centre Abdullah Haroon Road Opp. Hotel Jabees Saddar Karachi
Account	Title of Account: Monthly Inzaar A/C # 0171-1003-729378 Bank Al Falah Saddar Branch Karachi.

آپ سے درخواست ہے کہ سبسکرپشن چارجز بھیجنے کے بعد اپنے نام اور موبائل نمبر کے ساتھ نیچے دیے ہوئے نمبر پر کال یا SMS ضرور کریں تاکہ آپ کے رسالے کی سبسکرپشن کی جاسکے۔ مزید معلومات کے لیے ان نمبرز پر رابطہ کریں۔ شکریہ

0332-3051201 , 0312-2099389

اگر آپ ہماری دعوت سے متفق ہیں تو ہمارے ساتھ تعاون کر سکتے ہیں، اس طرح کہ آپ:

1) ہمارے لیے دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ ہماری رہنمائی فرمائے

2) 'ماہنامہ انذار' کو پڑھیے اور دوسروں کو پڑھوائیے

3) تعمیرِ ملت کے اس کام کو دوسروں تک پہنچانے کے لیے رسالے کی ایجنسی لیجیے

Monthly
INZAAR

NOV 2020
Vol. 08, No. 11
Regd. No. MC-1380

Publisher: Rehan Ahmed Printers: The Sami Sons Printers,

25-Ibrahim Mansion, Mill Street, Pakistan Chowk, Karachi